تعلیم وتربیت کی اہمیت

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

پروفیسرڈاکٹرفرحت عظیم
صدر شعبہ سیاسیات: سرسید گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج

ABSTRACT

Prof.Dr. Frhat Azim

Education is the knowledge of putting one's potentials to maximum use. Without education, no one can find the proper right path in this world.

To seek knowledge is a sacred duty, it is obligatory on every Muslim, male and female. The first word revealed of the Qur?an was "Iqra" READ!

Training and Development with education is very important. It is the framework for helping children to develop their personal I skills, knowledge, and abilities. we can say that training is of two types that is Internal and External training. Internal training involves when training is organized in-house. On the other hadn External training is normally outside the house. whichever training, it is very essantial for all.

Knowledge is the most important thing in one's life. There are two kinds of knowledge: Religious knowledge and Secular knowledge..These two kinds of knowledge's are very important for a human being. Secular for this day to day dwelling and religious for his smooth life on earth and hereafter. The Holy Prophet of Allah (S.A.W.) has said: "Attainment of knowledge is a must for every Muslim."

معلم انسانیت اور باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دنیا میں تشریف آوری کا اصل مقصد گمراہ اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی تعلیم وتربیت اور انہیں کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور وفکر کی دعوت دینا تھا۔(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے اعلیٰ منصبوں پر فائز کرنے کے علاوہ معلم اعظم کے منصب پر بھی مامور فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۲)

وہ (نبی کریم ﷺ) ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ عرب جاہل تھے اور اس جاہلیت پر انہیں فخر تھا۔(۳) جاہلیت کا بنیادی خاصہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اوہام پرست، بداخلاق، گنوار اور وحشی بن جاتا ہے، اسلام نے تعلیم کی وجہ سے افراد کو توحید پرست، بااخلاق، مہذب اور امن پسند بنایا ہے، آپ ﷺ نے اسی لئے تعلیم پر زور دیا اور اسے دینی اور دنیوی کامرانیوں کا وسیلہ قرار دیا۔(۴) اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا سکھلائی:

رب زِدْنِي عِلماً (۵)

اے میرے رب علم کو زیادہ کر۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (۶)

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان داروں کے اور بالخصوص اہل علم کے درجات بلند کرے گا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۷)

فرمادیجئے کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہوسکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۸)

خدا کے بندوں میں اس سے ڈرنے والے علماء ہی ہوتے ہیں۔

تعلیم و تدریس کا مفہوم:

علم کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنے کا نام ہے یا کسی شے کے مکمل ادراک کا نام علم ہے۔ تعلیم اس کا فعل ہے تعلیم کے لغوی معنی کسی کو بتانا، پڑھانا یا سکھانا ہیں۔ اسلام نے جو تصور علم دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ علم اشیاء اسی کا دیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت کا علم بھی اسی کی طرف سے ہے حواس اور عقل و تجربہ بڑے اہم ذرائع علم ہیں، لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ نیز یہ کہ علم کا تعلق محض لوازمات حیات ہی سے نہیں، مقاصد حیات سے بھی ہے، یہی وہ تصور ہے جس سے ہمارے نظام تعلیم کا پورا مزاج بنتا ہے۔ اس میں علم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے، اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص نظام تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں اس کا اظہار علم و فضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے، جو علم، نیکی اور اخلاق حسنہ کے مفہوم کو ادا کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے بتلایا کہ علم کے لئے کوئی خاص عمر مقرر نہیں ہے اور نہ ہی علم کی انتہا ہے۔ کوئی شخص اگر ماں کی گود سے قبر تک دن رات علم کی تحصیل میں مصروف رہے پھر بھی وہ علم کو ختم نہیں کر سکتا، بلکہ کسی شعبہ کے علم کا مکمل احاطہ بھی نہیں کر سکتا۔ علم کی فضیلت اور اہمیت کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ مجھے علم سکھانے والا بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ ''عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں کے چاند کو سب ستاروں پر'' (۹) ''جس نے علم کی طلب کی اور وہ کامیاب ہوا تو اسے دوگنا اجر ملے گا اور اگر ناکام رہا تو اکہرا اجر ملے گا۔'' (۱۰) ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔'' (۱۱) ''اگر طالب علم کو علم کی تلاش میں موت آجائے تو وہ شہید ہے۔ (۱۲) ''جو آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے، وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہوتا ... ''علماء انبیاء کے

وارث ہیں، انبیاءؑ نے درہم و دینار کا نہیں علم کا ورثہ چھوڑا ہے۔" (۱۴) "مومن علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔" (۱۵) ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے، ایک مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جا رہا تھا اور دوسری میں دین کا علم حاصل کیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم والے افضل ہیں اور آپ ﷺ اس مجلس میں شریک ہو گئے۔ (۱۶) جو آدمی تلاش علم کا راستہ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، فرشتے اس کے قدموں تلے پر بچھاتے ہیں اور اس کی مغفرت کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں دعا کرتی ہیں، حتیٰ کہ مچھلیاں سمندر میں، پرندے ہوا میں اور چیونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا "رات کی ایک گھڑی علم سیکھنا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "علم دولت سے بہتر ہے۔ علم تیری پاسبانی کرتا ہے اور تو دولت کی پاسبانی کرتا ہے۔ علم حکمران ہوتا ہے اور دولت پر حکمرانی کی جاتی ہے۔ دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ تمام لوگوں میں مقام نبوت کے زیادہ قریب اہل علم اور مجاہد ہوتے ہیں۔ میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہوگا جو علم کو سیکھے اور پھیلائے گا۔ تم سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن مجید خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

تعلیم و تربیت کا مفہوم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے، لیکن اسلام تو سراسر نام ہی تعلیم و تربیت کا ہے، حضور اکرم ﷺ نے اپنی تربیت سے جہالت کی تمام تاریکیاں لپیٹ کر رکھ دیں اور اصلاحی معاشرہ میں علم کا اتنا چرچا ہوا اس کی اتنی زیادہ اہمیت بڑھی کہ ہر طرف علمی مجلسیں لگنے لگیں۔ گھر گھر مدرسے کھل گئے اور بچے بوڑھے، عورتیں اور مرد بلا تخصیص عمر علم حاصل کرنے لگے، قیدی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر رہائی پانے لگے اور عورتیں حق مہر میں تعلیم حاصل کرنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف علم کی روشنی نے پورے اسلامی

معاشرہ کو منور کر دیا۔(۱۷) انسان کی تربیت قدرتی بھی ہوتی ہے اور گردوپیش کے حالات و مشاہدات سے بھی، دوسروں سے سیکھ کر بھی اور لکھ پڑھ کر بھی۔ لیکن تربیت کی اصل ذمہ داری ایک فرد کی اپنی ہی ہے، تربیت کے عمل میں یہ سب سے پہلا اور بنیادی سبق ہے،(۱۸) جو ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے۔ ہم جیسا بھی بننا چاہیں وہ اپنی کوشش سے اور اپنے عمل سے بنیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہت واضح اور صاف طور پر بیان فرمادیا ہے کہ آدمی کے حصے میں وہی کچھ آتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ○ (۱۹)

اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔

جو آدمی خود کچھ نہ بننا چاہے وہ دوسروں کے بنانے سے نہیں بن سکتا۔ آدمی اپنی محنت اور کوشش سے ہی اپنے آپ کو وہی کچھ بناتا ہے جو وہ بننا چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ (۲۰)

فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔

تعلیم و تربیت کی بنیاد فلاح انسانیت ہے:

انسانیت کا شرف علم سے وابستہ ہے، علم نہ ہو تو آدمی جانوروں سے بھی ادنیٰ ہوتا ہے، وہ کسی عزت کے قابل نہیں رہتا۔(۲۱) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو علم حاصل نہیں کرتا اور اس کے باوجود اپنے کو عزت کا مستحق سمجھتا ہے(۲۲) جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہا تو فرشتوں کے آگے اپنے ارادہ کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں انسان کو خلافت کا منصب دینا چاہتا ہوں، فرشتے بولے، کیا تو اُسے اپنا نائب بنانا چاہتا ہے، جو وہاں بگاڑ پیدا کرے گا اور خون بہائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس اعتراض کو یوں رد کیا کہ انسان کو کچھ اشیاء کے نام بتائے، پھر فرشتوں سے ان اسماء کے بارے میں پوچھا تو وہ لاجواب تھے، اب اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا تو اس نے سب نام سنا دیئے، فرشتے دم بہ خود رہ گئے۔ انہوں نے عجز کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کو

ہدیۂ تعظیم پیش کیا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز سے انسان نے فرشتوں پر بھی شرف حاصل کیا وہ علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انسان پر بے شمار احسانات ہیں، علم اس کے بنیادی احسانوں میں سے ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں اس حقیقت کو یوں واشگاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○(۲۳)

(اے نبی) پڑھیے اور آپ ﷺ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، اس نے انسان کو پڑھایا جس کا اسے علم نہ تھا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور کریمی کا ذکر ہے، اُس کی کریمی کے فیوض میں سے یہاں صرف ایک فیض بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم سے تعلیم دی اور اسے نامعلوم چیزوں کا علم دیا۔ قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر انبیاء علیہم السلام کی ایک امتیازی سنت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ علم رکھتے تھے، حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے تذکروں میں خصوصیت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم اور علم عنایت فرمایا، حکم سے مراد قوتِ فیصلہ ہے جس کے لئے علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ایک بنیادی فریضہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی لوگوں کو تعلیم دیں، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں علم وحکمت سے مالا مال کرتا رہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرضِ منصبی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۲۴)

ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات سناتا ہے اور ان کو پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

بنی اسرائیل نے جب اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہم پر کسی کو بادشاہ مامور کیا جائے جس

کے زیرِ علَم ہم جہاد کریں، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو ان پر بادشاہ بنایا، طالوت ایک غریب آدمی تھے، اس لئے بنی اسرائیل نے اعتراض کردیا کہ اسے ہم پر بادشاہی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس پر نبی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم اور بدن میں فوقیت دی ہے، بنی اسرائیل یہ سن کر خاموش رہ گئے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمران کے لئے صاحب علم ہونا ضروری ہے۔ جاہل حکمران قوم کو غلط راستے پر ڈالتا ہے۔

تعلیم و تربیت کی اہمیت:

علم انسانیت کی شرط ہے، اس کے بغیر انسان کا شرف قائم نہیں رہ سکتا، اسے حسب ضرورت اور حسب استطاعت علم سیکھنا چاہئے، بلکہ علم کا ایک شعبہ ایسا بھی ہے کہ جس کا حاصل کرنا فرض عین ہے، جس نے اس میں کوتاہی کی وہ مجرم ہوا، جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (۲۵)

علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں، جہاں تک فرض عین علم کا تعلق ہے، اس سے عورت بھی معاف نہیں، دین اور زندگی کے بنیادی امور سے آگاہ ہونا لازمی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مستورات کو بھی دین کی ضروری تعلیم دیا کرتے تھے۔ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک فریضہ یہ تھا کہ وہ مومن خواتین کو دینی مسائل سے آگاہ کیا کریں، مرد ہو یا عورت جس نے بھی دین کی تعلیم حاصل کی اور اس پر عمل کیا اس نے دنیا و آخرت دونوں کو سنوار لیا، ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کردیتا ہے۔ (۲۶) اگر کوئی آدمی ذہنی معذوری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کوشش کے باوجود علم حاصل نہ کرسکے تو بھی اسے ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے علم کی طلب کی اور پالیا تو اسے دہرا اجر ملے گا اور اگر ناکام رہا تو اکہرا اجر پائے گا۔ (۲۷)

عبادت کا فائدہ اپنی ذات تک محدود رہتا ہے اور علم کی برکت میں ملت بھی حصہ دار ہوتی ہے۔اس لئے طلب علم کا درجہ ہر نفل عبادت سے افضل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قلیل علم کثیر (نفل) عبادت سے بہتر ہے۔(۲۸) یہاں تک کہ آپ ﷺ نے قرآن حکیم کی ایک آیت کے تعلّم کو سو رکعت (نفل) نماز سے بہتر بتایا ہے۔(۲۹) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں کے چاند کو سب ستاروں پر۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کو چودھویں کے چاند سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ وہ دنیا کو دین کی روشنی سے منور کرتا ہے۔(۳۰)

علم کا افق بے حدود ہے، اس کی وسعتیں کائنات کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔اس لئے جو آدمی طلب علم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتا ہے وہ مہد سے لے کر لحد تک بھی اس کے لئے کوشاں رہے تو اس کا حق ادا نہیں کرسکتا، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن نیک علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ طالب علم اور طالب دنیا دونوں کا جی نہیں بھرتا، البتہ دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ طالب علم اللہ تعالیٰ کی رضا میں بڑھے جاتا ہے اور طالب دنیا سرکشی میں ترقی کرتا ہے۔(۳۱) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینۃ العلم تھے جس کے کنارے افق تا اُفق پھیلے ہوئے تھے، تاہم اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے ارشاد ہوا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (۳۲)

اور کہئے اے میرے رب! میرا علم بڑھا۔

علم کی پیاس بجھ نہیں سکتی، نیک علم دنیا کے کسی خطے میں بھی ہو اسے حاصل کرنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حکمت کا کلمہ حکیم کی گمشدہ چیز ہے۔اسے جہاں پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔مراد یہ ہے کہ اسے سیکھنے میں عار نہ کرے۔(۳۳) علم کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر کرنا پڑے تو گریز نہ کیا جائے، جہاں سے کوئی اچھی چیز ملے اسے لے لیا جائے، کوئی بری چیز سامنے آئے تو اس سے اجتناب کیا جائے۔آج سفر آسان

ہے، لیکن کسی زمانے میں سفر پر جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے برابر تھا۔ تاہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب علم کی خاطر سفر اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس بارے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں: جب بھی کوئی آدمی علم کی طلب میں روانہ ہونے کو جوتا، موزہ یا لباس پہنتا ہے تو چوکھٹ پر قدم رکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (۳۴) جو آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔ (۳۵) طالب علم کو علم کی تلاش کے دوران میں موت آجائے تو وہ شہید ہوتا ہے۔ (۳۶) جو آدمی تلاش علم کا راستہ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے، فرشتے طالب علم پر اظہار رضا کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز حتیٰ کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی گناہوں کی مغفرت چاہتی ہیں، عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چاند کو سب ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاءؑ نے درہم و دینار نہیں چھوڑے، انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے، جس نے اس ورثہ کو لیا اس نے بہت وافر حصہ پایا۔ (۳۷)

تعلیم وتربیت کا تقویٰ سے تعلق:

اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو آدمی اپنے علم کو نیک کام میں لگانے کے بجائے برائی میں صرف کرتا ہے۔ غدار اور منافق انسان علم کے بدولت نہایت چالاک اور پُرکار ہو جاتا ہے، منافق کا ایک نہایت کامیاب ہتھیار حکیمانہ کلام ہوتا ہے، وہ اپنی گفتگو کو علم کا رنگ دے کر پُرکشش بنالیتا ہے اور عوام کو آسانی سے جال میں پھانس لیتا ہے۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اس امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ ان منافقوں سے ہے جن کا کلام حکیمانہ اور عمل ظالمانہ ہوگا۔ (۳۸) خوفِ الٰہی کا پہرہ نہ ہو تو گناہ انسان پر غالب آجاتے ہیں، اور ذہنی قوت برباد ہو جاتی ہے، حافظہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور فکری استعداد الٹ جاتی ہے۔ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو وہ گناہ سے مغلوب نہیں ہوتا اور اس کی ذہنی

قوت ٹھکانے سے خرچ ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت پیدا نہیں ہونے دیتا۔تقویٰ کے بدولت ذہن بے کار خیالات اور تصورات سے صاف رہتا ہےاوراس میں علم کی پوری آمادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس بندے کو دنیا سے رغبت نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہےاوراسے اُس کی زبان پر بھی جاری کرتا ہے۔اس کو دنیا کے عیوب دکھاتا ہےاور دنیاوی امراض اوران کی دوا سے آگاہ کرتا ہےاوراسے دنیا سے باسلامت نکال کر عافیت کے گھر میں پہنچا دیتا ہے۔(۳۹) تقویٰ غرور پیدا نہیں ہونے دیتا،غرور علم کے لئے زہر ہے۔اس سے ریاء پیدا ہوتی ہے اور طلبِ حق کا صحیح جذبہ ختم ہو جاتا ہے،بارہا محض اپنے وقار کے لئے متکبر عالم جان بوجھ کر غلط مسلک اختیار کرلیتا ہے۔خود بھی گمراہ ہوتا ہےاوردوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت لازمی ہے:

اسلام نے تعلیم کو تربیت کے ساتھ لازمی قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم باعمل کو خیر کے لفظ سے یاد فرمایا کرتے تھے۔(۴۰) قیامت کے روز علم والے سے پوچھا جائے گا کہ اس نے علم کس کام میں لگایا۔(۴۱) ایک دفعہ چند صحابہ مسجد قُبا میں بیٹھے علم کی باہم تدریس کر رہے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ جب تک پڑھ سکتے ہو پڑھو لیکن جب تک عمل نہ کرو گے اللہ تعالیٰ اجر نہیں دے گا۔(۴۲) ایک صحابیؓ کا قول ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم دس آیات پڑھتے تھے تو انہیں علمی اور عملی لحاظ سے خوب سمجھ چکنے کے بغیر آگے نہ بڑھتے تھے۔(۴۳) جو عالم صاحب عمل نہ ہو قرآن کریم اسے گدھے سے تشبیہ دیتا ہے،جس پر کتابوں کا بار لدا ہو۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر وہ علم جس پر عمل نہ ہو وبال کا سبب ہوتا ہے۔(۴۴) اسلامی دنیا میں جس قدر علماء اٹھے وہ علم وعمل ہر دو کے پیکر تھے۔علم کے ساتھ ساتھ شہسواری، تیغ زنی اور تیر اندازی بھی سیکھتے تھے،جب میدان جہاد کی طرف بلایا جاتا تو بے دریغ لبیک کہتے تھے۔علم کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ اسے تجربہ کی دنیا

میں پرکھا جائے، محض باتوں کا نیرنگ نہ ہو، تجربہ کے بغیر آدمی علم کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا حَکِیْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَۃٍ (۴۵)

تجربہ کار آدمی ہی صاحب حکمت ہوتا ہے۔

قرآن تجرباتی علم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسلام سے قبل اگر حکمت کہیں تھی بھی تو محض نظری اور کتابی حکمت تھی۔ اسلام نے بتایا کہ تجرباتی حکمت کے بغیر کتابی علم بے کار ہے، اہل اسلام نے اقوامِ عالم کو تجرباتی علم سے روشناس کیا اور بتایا کہ صحیح فکر و فلسفہ وہی ہے جس کو تجربہ کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہو۔

تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے یہی جھوٹ بہتیرا ہے کہ وہ جو سنے اسے (بغیر تحقیق کے) آگے پہنچا دے، مراد یہ کہ ہر بات کے قبول کرنے کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو بات تحقیق کے معیار پر پوری نہ کرے اسے قبول نہ کیا جائے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ۝ (۴۶)

اور اس بات کے پیچھے نہ چل جس کا تجھے (صحیح) علم نہیں، یقیناً کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک (عضو) سے اس کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضاء اس لئے دئے ہیں کہ ان سے خوب کام لے، کسی چیز کی بغیر دیکھے سُنے یا سمجھے پیروی نہ کرے۔ ایک ایک عضو سے پرسش ہوگی کہ اس نے کیا کام کیا، بہ الفاظ دیگر ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دینا ہوگا کہ اس نے اپنے اعضاء سے کیا اور کیسا کام لیا اور کسی ایک عضو کو بھی بے کار تو نہیں رہنے دیا۔ علم سے کسی شخص کے دل میں یا تو

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خدمت خلق کی غرض ہوسکتی ہے یا دنیوی ہوس اور نمائش کی تمنا، صالح علم وہ ہے جس کا بنیادی نصب العین اللہ تعالیٰ کی رضا اور نفع عامہ ہو۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس نے وہ علم جس کی غرض اللہ عزوجل کی رہنمائی ہونی چاہئے صرف دنیوی سامان کے لئے سیکھا وہ قیامت کے روز جنت کی بوتک نہیں پائے گا'' (۴۷) جس علم سے دنیا کی لالچ ہی وابستہ ہو اس سے انسانیت کو حقیر نفع ہوتا ہے۔ بلکہ بار ہا ضرر پہنچتا ہے، جیسا کہ موجودہ دور میں سائنس دانوں نے دنیوی اغراض کے پیچھے چل کر تباہی خیز آلات پیدا کر لئے ہیں، ایسا علم اگرچہ بظاہر اوروں کے لئے ضرر رساں ہوتا ہے، لیکن ایک دِن اپنے برتنے والے کو بھی تباہی کے بھاڑ میں جھونک دیتا ہے۔ رحمانی علم وہی علم ہے جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو ورنہ علم شیطانی سرمایہ ہے۔ اس لئے مفید علم کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی یادگار میں یوں دعاء کیا کرتے تھے: ''اے ہمارے اللہ! تو نے مجھے جو علم دیا ہے اس سے مجھے فائدہ بخش اور مجھے مزید بھی وہ علم دے جو فائدہ بخش ہو۔ اے رب! میرا علم بڑھا دے۔'' (۴۸) جناب ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''صرف دو آدمیوں سے رشک ہوسکتا ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اُسے حق کی راہ میں خرچ کرے اور دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہو اور وہ اُس کے موافق امور طے کرے اور اس کی تعلیم دے۔'' (۴۹)

تعلیم وتربیت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں:

محسن انسانیت ﷺ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا جب کہ پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں دورِ وحشت چل رہا تھا، اور کہیں شرک اور بُت پرستی کی لعنتوں نے گھر کر رکھا تھا۔ مصر اور ہندوستان، بابل اور نینوا، یونان اور چین میں مذہب اپنی شمعیں گل کر چکی تھی۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھی، مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا، اور زندگی کے زخموں سے تعفن اُٹھ رہا تھا، بادشاہ

خدا کے اوتار ہی نہیں، خدا بنے ہوئے تھے۔ان کے ساتھ جاگیردار طبقوں اور مذہبی عناصر کی ملی بھگت قائم تھی، یہ لوگ ان سے بھاری ٹیکس، رشوتیں، خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے، اوران سے جانوروں کی طرح بیگاریں لیتے تھے۔لیکن ان کے مسائل سے ان کوکوئی دلچسپی نہ تھی، ان کی مصیبتوں میں ان سے کوئی ہمدردی نہ تھی، اوران کی گتھیوں کا کوئی حل ان کے پاس نہ تھا، ان بالادست طبقوں کی عیاشیوں اور نفس پرستیوں نے اخلاقی روح کو ہلاک کردیا تھا۔دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملو کی کا دورہ دورہ تھا،ٹکراؤ ہوتے، بار بار کشت خون ہوتے۔ بغاوتیں اٹھتیں۔ مذہبی فرقے خون ریزیاں کرتے اور ان ہنگاموں کے درمیان انسان بہ حیثیت انسان بری طرح پامال ہورہا تھا۔وہ انتہائی مشقتیں کر کے بھی زندگی کی ادنیٰ ضرورتیں پوری کرنے پر قادر نہ تھا، اسے مظالم کے کولہو میں پیلا جاتا تھا،مگر تشدد کی خوفناک فضا میں وہ صدائے احتجاج بلند نہیں کرسکتا تھا، وہ تلخ احساسات رکھتا ہوگا،مگر اسے ضمیر کی آزادی کسی ادنیٰ درجے میں بھی حاصل نہ تھی۔(۵۰) اس کی مایوسیوں اور نامرادیوں کا آج ہم مشکل ہی سے تصور کرسکتے ہیں کہ وہ ماحول کے ایک ایسے آہنی قفس میں بند تھا جس میں کوئی روزن کسی طرف نہیں کھلتا تھا۔اس کے سامنے کسی امید افزا اعتقاد اور کسی فلسفہ یا نظریہ کا جگنو تک نہیں چمکتا تھا، اس کی رُوح چیختی تھی، مگر پکار کا کوئی جواب کسی طرف سے نہ ملتا تھا۔کوئی مذہب اس کی دستگیری کے لئے موجود نہ تھا۔کیونکہ انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات تحریف وتالیف کے غبار میں گم کی جاچکی تھیں، اور باقی جو شے مذہب کے عنوان سے پائی جاتی تھی اسے مذہبی طبقوں نے متاع کاروبار بنالیا تھا، کسی طرف کوئی روشنی نہ تھی، جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان حالات کے ایک آہنی قفس میں بند ہوجاتا ہے اوراسے کسی طرف سے نجات کا راستہ دکھائی نہیں دیتا تو تمدنی بحران پیدا ہوجاتا ہے۔وہ خوفناک ترین بحران کا ایک عالمگیر دور تھا۔(۵۱) جس کی اندھیاریوں میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشعل یکا یک ابھرتی ہے اور وقت کے تمدنی بحران کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف اجالا پھیلا دیتی ہے۔(۵۲)

پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اعتقاد، کسی نظریہ اور کسی نقشۂ فکر کے بغیر

اصلاح وتعمیر کا کام یونہی شروع نہیں کر دیا۔ محض ایک مبہم جذبہ نہ تھا، کوئی جنون خام نہ تھا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ومکان کی عظیم ترین سچائی کی مشعل لے کر اُٹھے، انتہائی حساس قلب کے ساتھ برسوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے معمے پر کاوشیں کی تھیں، غارِ حرا کی خلوتوں میں مدتوں اپنے اندرون کا بھی مطالعہ کیا اور بیرونی عالم پر بھی غور کیا۔ اللہ رب العزت کی نازل کردہ عظیم الشان کتاب اور اس کی تعلیم وتربیت کا موضوع انسان ہے۔ دعوت دین کے لئے سرگرداں افراد کا محور ومرکز بھی انسانوں تک اس تعلیم کو پہنچانا ہے۔ (۵۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال انقلاب انسانی دلوں کی تبدیلی سے شروع ہوا تھا جس نے سوچ کے زاویے تبدیل کر دیئے تھے، نفع ونقصان سے لے کر کامیابی وناکامی کے معیار تک کو نئے معنوں سے روشناس کر دیا۔ وہ دل جو کفر کے کلمۂ خبیثہ کی وجہ سے سخت اور بنجر تھے ایمان کے بیج کی حرارت سے نرم وگداز ہو گئے۔ (۵۴) رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی انسانوں سے محبت اور ان کی خدمت کے لئے مشہور تھے۔ بار نبوت کو اٹھانے میں اس صلاحیت اور خصوصیت نے آپ ﷺ کو بڑی مدد پہنچائی، بلکہ یہ کہا جائے کہ قدرت نے کارِ نبوت کو انجام دینے کے لئے آپ ﷺ کا انتخاب کرنے سے پہلے آپ ﷺ کے اندر انسانی خدمت کا جذبہ اور ملکہ کامل طور پر پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب آپ ﷺ پر قرآنی آیات نازل ہوئیں تو اس وقت آپ ﷺ غارِ حرا میں غور وفکر میں تھے۔ فرشتے سے پہلی ملاقات اور پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ سردی سے کانپتے ہوئے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پورا ماجرہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ”ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ ﷺ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت کے دنوں میں متاثرہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں“۔ (۵۵) یعنی آپ ﷺ انسانوں کی

جتنی بے لوث خدمت کرتے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو رسوا نہیں کرے گا، بلکہ ان کی سعادت کے لئے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔ نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوہری ذمہ داری عائد ہوگئی۔ ایک انسانوں کی خدمت کی اور دوسری ان کی ہدایت اور سعی نجات کی۔ نبوت سے پہلے صرف انسانی خدمت آپ ﷺ کی پہچان تھی، نبوت کے بعد خدمت اور ہدایت دونوں آپ ﷺ کی پہچان بن گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انسانوں کی روحانی مشکلات حل کرنے اور اخلاقی برائیوں کی اصلاح کا بیڑا ہی نہیں اٹھایا، بلکہ انسان کی سماجی اور معاشی مشکلات کو دور کرنے کی بھی سعی کی، اور انسانی معاشرے کے رنج وغم کو سکھ اور مسرت میں تبدیل کرنے کی کامیاب جدوجہد کی۔ انسانی سماج میں طاقتور اور کمزور، امیر وغریب، مختار اور محتاج دونوں طرح کے لوگ رہتے ہیں اور دونوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرد کی اصلاح کرتے ہیں اور دونوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اگر رسول انسانوں کی روحانی دنیا آباد کرے اور مادی دنیا کو اجڑ جانے دے، اخلاقی حالت کو درست کرے اور سماجی زندگی کو الجھنوں میں مبتلا رہنے دے، عبادت پر زور دے اور سماجی حقوق کو نظر انداز کردے تو یہ مذہب ناقص ہوگا اور اس کی انسانوں کو چنداں ضرورت نہ ہوگی،(۵۶) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ضروریات کی تکمیل کے لئے مذہب کا ایک کامل نمونہ پیش کیا جس نے اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور انسانوں کی خدمت دنوں کو یکساں جگہ دی، جیسا کہ قرآن کریم نے وضاحت فرمائی:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ

وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○(۵۷)

کوئی یہی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق کی طرف کردیا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور سب کتب سماویہ پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور باوجود مال کی محبت اور احتیاج کے قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سائلوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں مال دیتا ہو اور نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب عہد لیں اور جو تنگدستی میں اور بیماری میں لڑائی کی سختی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں یہی سب لوگ وہ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

اس آیت میں تفصیل سے نیکی اور دین داری کا تصور بیان کیا گیا ہے۔ اس میں جہاں ایمانیات پر زور ہے، عبادات کی تلقین ہے، اخلاقی اصولوں کا تذکرہ ہے، وہاں انسانوں کی خدمت، ان کے دکھ درد میں شرکت اور ان کی حاجت روائی کی اہمیت بیان کی گئی ہے، یہ مذہب کی روح ہے، اس کا خمیر اور جوہر ہے، اگر مذہب سے ایمانیات اور عبادات کو خارج کردیا جائے تو مذہب ثقافت و رواج پر مبنی سماجی تنظیم یا کلچرل انجمن بن کر رہ جائے گا اور اگر انسانی خدمت کو نظر انداز کردیا جائے اور ان کی مشکلات کا مداوا نہ کیا جائے تو مذہب بے جان رسموں کا ڈھانچا بن جائے گا یا مابعد الطبیعات کا پیچیدہ فلسفہ۔(۵۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلی معاشرے میں حقیقی خدا پرستی اور سچی انسانی خدمت کی تحریک برپا کی تو مشرکوں نے جہاں اس بات کی مخالفت کی کہ ان گنت دیوتاؤں کی جگہ صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی جائے وہاں اس بات کی بھی مخالفت کی کہ غریبوں اور ناداروں پر اپنا مال خرچ کیا جائے اور بغیر کسی معاوضے اور صلے کے ان کی خدمت کی جائے۔ وہ مال داری اور ناداری کو

مقدرات سمجھتے تھے اور ناداروں کی حالت سدھارنے کی کوشش کو نادانی اور گمراہی سے تعبیر کرتے تھے۔قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انسانی کے مقابلے اور جواب میں مشرکین کے غیر انسانی رویے کا ان لفظوں میں تذکرہ کیا گیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○(۵۹)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں: ہم کیوں کھلائیں ایسے لوگوں کو کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کو خود کھلاتا تم لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جو تعلیم دی اس کا مرکزی نکتہ یہ تھا: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو، اور قیدیوں کو رہا کراؤ''(۶۰) حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے تعبیر کیا، مخلوق کی خدمت کو اللہ تعالیٰ تک پہنچے کا راستہ قرار دیا، اور جہنم سے آزادی اور جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا۔ مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں یہ تعلیم ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہمیت رکھتی ہے۔ اگر انسانوں کی خدمت نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ الٰہی گھاٹی ہے جسے پار کئے بغیر رضوانِ الٰہی کی بلندی تک پہنچا نہیں جاسکتا۔قرآن کریم نے وضاحت کی:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ○ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ○ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ○ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ○ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ○ (۶۱)

اس نے دشوار گزار گھاٹی پار نہ کی، تمہیں کیا معلوم کہ کیا ہے وہ دشوار گزار

گھاٹی، کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقہ کے دن کسی رشتہ دار، یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، پھر ان لوگوں میں شامل ہونا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کوصبر اور انسانوں پر رحم کرنے کی تلقین کی۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے کنبے سے تعبیر کیا ہے، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب وہ بندہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک کرے''۔(٦٢) یعنی انسانوں سے محبت اور ان کی خدمت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار بندوں کی خدمت کی شکل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی علامت یہ بیان کی گئی ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا O إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًاO إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا O(٦٣)

وہ کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو، (ان کا کہنا ہے کہ) ہم تم کو اللہ کی رضا کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری، ہم تو اپنے رب سے اداسی والے دن کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دونوں انگلیاں''۔(٦٤)

یہ تعلیم انسانی خدمت کے محرک اور مقصد کو واضح کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ بندوں کی خدمت سے گزرتا ہے۔ جو اس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے، اسے یہ راستہ اختیار کرنا ہوگا، ورنہ وہ منزل سے دور ہو جائے گا۔(٦٥) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے جہاں انسانی خدمت کے میدان واطراف کا پتا چلتا ہے، وہاں انسانی خدمت میں کارفرما عوامل اور عناصر ترکیبی کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ اگر ان عناصر کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو انسانی خدمت کا عمل بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ وہ عناصر ہیں اکرام، انصاف اور ایثار۔ اکرام کا مطلب ہے کہ انسان کے ہر فرد اور ہر گروہ کو خواہ وہ کسی طبقے، کسی علاقے، کسی رنگ اور کسی نسل اور کسی بھی ذات و برادری سے تعلق رکھتا ہو، محترم سمجھنا اور عزت دینا، اسے کم تر اور حقیر نہ سمجھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو محترم بنایا ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس ہدایت کو دہرایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا○(٢٦)

ہم نے آدم کی اولاد کو محترم بنایا ہے اور خشکی اور دریا میں سواری عطا کی ہے اور ہم نے اس کو پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور جن مخلوقات کو ہم نے پیدا کیا ہے، ان میں سے بیش تر پر اسے فضیلت بخشی ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (٢٧)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔

تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی اللہ تعالیٰ کی رضا سے حاصل ہوتی ہے:

اللہ تعالیٰ کی رضا کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک جانیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو اسی کے لئے مختص کریں، جیسے خالق، مالک، رازق، حافظ، رحمٰن، رحیم، قیوم وغیرہ صفات اسی کے شایانِ شان ہیں۔ قرآن شریف میں بے شمار مواقع پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ کوئی بھی مخلوق ان صفات

کی متحمل نہیں ہوسکتی، جیسے سورۂ حشر کی یہ تین آیات:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ O هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ O هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ O(۶۸)

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمٰن اور رحیم ہے، وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بہ زور نافذ کرنے والا اور بڑا ہی ہوکر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے، اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ہی قانون ساز تسلیم کرنا، اسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا، یہ سب اسی اخلاص کے مظاہر ہیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے فقرے میں یوں بیان کیا ہے کہ: ''میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا''۔ (۶۹) یعنی اس اقرار کے بعد اگر پوری دنیا میری مخالف ہو جائے تب بھی میں اس عہد سے نہ پھروں گا، اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبودوں کا انکار ہے، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنے کے بعد جو کیفیت ایک بندے کی ہوتی ہے اس کا بیان اس آیت میں ہوا ہے:

اِنَّ صلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؁ (۷۰)

بے شک میری نماز، اور میرے تمام مراسم عبودیت، مرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

یہ تمام اعمال ادا کرتے ہوئے اسے کسی اور کی خوشی اور رضا مطلوب نہیں ہوتی، اسے کسی کے انعام واکرام کا لالچ نہیں ہوتا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر کسی کی محبت کو ترجیح نہیں دیتا۔ گویا اس کی زندگی کا لحہ لحہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں گزرتا ہے۔ تمام معاملات میں وہ اپنی خواہشات کا پیرو نہیں ہوتا، بلکہ اس کے رب نے جس چیز کے کرنے کا حکم دیا ہے اس پر بغیر کسی لیت ولعل کے عمل کرتا ہے اور اس کے رب نے جس چیز سے بھی روکا ہے اس سے رک جاتا ہے جیسا کہ فرمایا:

قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ – قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؁ (۷۱)

جب اس کے رب نے اس سے کہا: "مسلم ہوجا" تو اس نے فوراً کہا: "میں مالک کائنات کا مسلم ہوگیا"۔

اگر کسی کے اندر واقعی یہ کیفیت پیدا ہوتو یہی دراصل اللہ کے لئے نصح اور خیر خواہی ہے۔

تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی قرآن کریم کے ذریعہ ممکن ہے:

سب سے پہلے اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ فرشتے کے ذریعے اپنے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ اس میں کسی طرح کی کوئی ٹیڑھ نہ رکھی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ
عِوَجًا۝ (۷۲)

تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی
اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہ رکھی۔

اس میں کوئی شک وشبے کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی چیز انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی تو وہ یہی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے تمام احکام کو بے چوں و چرا تسلیم کیا جائے، اور ان میں تھوڑی سی بھی تبدیلی کو گوارا نہ کیا جائے۔ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے، اس کو یاد کیا جائے، اس کی حقیقی دعوت کو عام کیا جائے، اس کے احکام سے انسانوں کو آگاہ کیا جائے، اور ان کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا جائے۔ اگر صرف کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے اور اس کے بقیہ حقوق سے سبکدوشی اختیار کی جائے یا اس کو چھوڑ کر انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے ساتھ اتنی عقیدت برتی جائے کہ کلام اللہ کی عقیدت ماند پڑ جائے تو یہ قرآن کریم کے ساتھ خیر خواہی نہیں بلکہ زیادتی ہے۔ انھی لوگوں کے بارے میں قیامت میں کہا جائے گا:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا۝(۷۳)

اور رسول (ﷺ) کہے گا کہ اے میرے رب، میری قوم کے لوگوں نے
اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنالیا تھا۔

تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی سیرت طیبہ ﷺ کے ذریعہ ممکن ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کیا جائے، آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر صدقِ دل سے ایمان لایا جائے، اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کے لئے ہمیشہ تیار رہا جائے۔ ان لوگوں کو دشمن سمجھا جائے جو

اللہ کے ساتھ دشمنی کرتے ہوں اوران لوگوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کئے جائیں جو اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل وجان سے محبت کرتے ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کی جائے، آپ ﷺ کے خلاف لگائے جا۔ والے الزامات و اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ دراصل یہ تمام چیزیں آپ ﷺ) خیرخواہی کے اجزا ہیں۔ آپ ﷺ کے علوم کی نشر واشاعت کرنا اوران میں غور وفکر کرنا، لوگ ں کو اس کی طرف بلانا اوران کو سیکھنا اور سکھانا اور خاموشی کے ساتھ سننا بھی اس میں شامل ہ ں۔ آپ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہؓ کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کرنا اور جو شخص آپ ﷺ) لائی ہوئی شریعت میں بدعت کا مرتکب ہورہا ہو اس سے لاتعلقی کا اظہار کرنا بھی اسی کے م ظاہر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی محبت کو تمام محبتوں پر غالب رکھنا کمالِ ایمان اور کمالِ اخ اص کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہے جب تک کہ میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (۷۴) آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص کسی حکمران کو کسی چیز کی نصیحت کرنا چاہے تو علانیہ اس کا اظہار نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تنہائی میں نصیحت کرے۔ اگر اس نے قبول کی تو بہتر، ورنہ تم نے اس کے بارے میں اپنی ذمہ داری ادا کر ہی دی۔'' (۷۵) وہ حکمران جو سیکولر نظام اور کفار کے آلۂ کار اوران کی مرضی کے مطابق چلنے والے ہوں، ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی سخت اور علانیہ مخالفت کی جائے، انہیں روکا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے بدل دے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو دل سے، یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔'' (۷۶) ایک اور حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اگوں کے عمل کی سزا اس وقت تک نہیں دیتا جب تک ان میں یہ غلط رواداری پیدا نہ ہو جائے کہ بدی وا اپنے سامنے ہوتے ہوئے دیکھیں اوراس کو روکنے کی قدرت رکھتے ہوں مگر نہ روکیں۔ (۷۷) حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و نے فرمایا:

''میں تمہیں بے وقوفوں کی حکمرانی سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ حکمران ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ جو ان کے پاس جائے گا اور ان کے جھوٹ میں ان کی اعانت کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور وہ میرے حوض پر میرے پاس نہیں آئے گا، اور جو ان کا ساتھ نہ دیں، ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق نہ کریں اور ان کے ظلم میں ان کے ساتھ تعاون نہ کریں تو یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے، یہ میرے حوض پر میرے پاس آئیں گے''۔(۷۸)

آپ ﷺ کا قائم کردہ مکتبہ تعلیم وتربیت:

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلا مکتب صفہ ہے،(۷۹) جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قائم فرمایا، صفہ کے لغوی معنی سائبان کے ہیں۔ جب قبلہ بجائے بیت المقدس کے کعبہ ہوا تو مسجد النبی ﷺ کے پہلے چھت کے نیچے طلباء کی سکونت گاہ بنی۔ اس چھت کو صفہ کہتے ہیں اور یہاں کے مکین طلباء کو اصحابِ صفہ کہا۔(۸۰) صفہ رہائشی مکتب تھا، یہ اسلام کی پہلی یونیورسٹی ہے، اس مدرسہ سے عصر حاضر کے مدرسے مقابلہ نہیں کر سکتے، اس کا عالم ہی اور تھا، یہاں علم اور فقر دونوں کی قولی اور عملی تعلیم دی جاتی تھی، اصحابِ صفہ کا اکثر وقت معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں گزرتا تھا۔ یہ اصحاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض سے ہر وقت بہرہ مند ہوتے تھے۔ ان کی تعلیم قرآن کریم، تفسیر، حدیث اور فقہ تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ جو کچھ پڑھتے تھے ان کی عملی تربیت بھی حاصل کرتے تھے۔(۸۱) صفہ کی یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے زر وسیم اور سامانِ راحت کی حاجت نہ تھی، فقر ہی اصحابِ صفہ کا سرمایہ تھا۔(۸۲) مطلب یہ نہیں کہ وہ گداگری کرتے تھے یا دیگروں کے دستِ کرم کے منتظر رہتے تھے، نہیں! بلکہ ان حضرات سے جہاں تک ہوسکتا محنت مزدوری کرتے تھے اور جو اُجرت ملتی اس سے

زندگی کی بنیادی ضرورتیں مہیا کرتے تھے۔ان ضرورتوں کی فہرست یہ ہے: روکھی سوکھی روٹی اور پھٹا پرانا لباس، ان کا لباس بالعموم ایک چادر یا ٹاٹ وغیرہ پر مشتمل ہوتا تھا، جو ٹخنوں تک بدن کو ڈھانپے رکھتا تھا، بارہا فاقے گزر جاتے۔بعض دفعہ بھوک سے اس قدر نڈھال ہوتے کہ عین حالتِ نماز میں گر جاتے تھے، ناواقف لوگ ان کی ہیئت دیکھ کر گمان کرتے کہ دیوانے ہیں، یہ نیک نہاد بندے بے شک ظاہر بین نگاہ کے لئے دیوانے تھے، لیکن سچ پوچھو تو علم و حکمت کے خزانے تھے۔(۸۳) جو آدمی خود کو اپنے نصب العین میں گم کر دے وہ بعض لحاظ سے دیوانہ نظر آتا ہے۔اصحابِ صفہ نے خود کو علم کے شوق میں محو کر رکھا تھا، اس لئے مجذوب نظر آتے تھے۔انہوں نے علم و حکمت کے دائرے کو دور دور پھیلایا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نومسلم قبیلوں میں تعلیم مسائل کے لئے روانہ فرماتے تھے۔اصحابِ صفہ کی جان خطرہ میں رہتی تھی، تاہم یہ اللہ کے بندے سر ہتھیلی پر رکھ کر فرائض ادا کرتے تھے۔ان مہمات میں کئی اصحابِ صفہ شہادت کا جام نوش کر گئے۔(۸۴) اصحابِ صفحہ صرف راہِ علم کے مسافر نہ تھے بلکہ میدانِ جہاد کے غازی بھی تھے۔غزوات اور مہمات میں حصہ لیتے تھے اور سپاہیانہ جوہر دکھاتے تھے۔کرنے کے لئے اساتذہ کے پاس بھیجتے تھے، کاروباری اصحاب اگر فقہی مسائل سے آگاہ نہ ہوں تو عین ممکن ہے کہ وہ کمائی کے ناجائز ذرائع اختیار کر لیں۔(۸۵)

تعلیم وتربیت کا ذریعہ مسجد ہے:

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس گاہ عام طور پر مسجد ہی ہوتی تھی۔مسجد النبی صرف عبادت کی جگہ نہ تھی قومی صلاح ومشورہ کا ایوان بھی تھی۔فرزندانِ اسلام کی آئے دن کی زندگی کے فیصلہ طلب امور یہیں پیش ہوتے تھے۔شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت بھی یہیں لگتی تھی، خلافت راشدہ کے ایام میں بلکہ بہت بعد تک یہی دستور رہا، آج بھی ملت اسلامیہ کے اجتماعی امور کے بارے میں غور وخوض کا ٹھکانہ بارہا مسجد ہی قرار پاتی ہے۔یہ حقائق ہمیں درس دیتے ہیں کہ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں مسجد النبی ﷺ میں نشست و

برخاست کے جو آئین و آداب تھے وہی آج بھی ہماری عمومی مجلسوں کے لئے بمنزلہ ہدایت ہیں۔ یہ تو عملی نظیریں ہیں، اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی ارشادت کا بھی خاصا ذخیرہ موجود ہے۔(۸۶) اسلام میں مجلسی زندگی کی اولین تربیت گاہ مسجد ہے، مسجد میں اہل اسلام کو دیگر بے شمار فوائد کے علاوہ نشست و برخاست کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں صاف بدن اور ستھرے لباس کے ساتھ آنے کا حکم ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی یہ احساس جاگتا ہے کہ اب میں ایک ظاہری اور باطنی ضبط کے مقدس دائرہ میں داخل ہوگیا ہوں، مسجد میں جو آدمی پہلے آکر جہاں بیٹھ جائے وہی اس جگہ کا حق دار ہوتا ہے۔ اسے کوئی دوسرا وہاں سے اٹھا نہیں سکتا۔ بعد میں آنے والے اصحاب درمیان خالی جگہ دیکھیں تو وہاں جاکر بیٹھ سکتے ہیں، ورنہ صفوں کے اخیر ہی میں جہاں ان کو جگہ ملتی ہے بیٹھ جاتے ہی، یہاں امیر وغریب کے درمیان محل ومقام کی کوئی تمیز نہیں ہوتی، خواجہ وخادم اور حاکم ومحکوم سب ایک ہی صف میں دوش بہ دوش نظر آتے ہیں۔ باہر سے کوئی صاحب جاہ یا صاحب ثروت شخص آئے تو کوئی آدمی تعظیم کو نہیں اٹھتا، نہ اس کے لئے موزوں مقام کی تلاش ہوتی ہے، جہاں اسے ٹھکانہ ملتا ہے خاموشی اور تواضع سے بیٹھ جاتا ہے۔ مسجد میں پیاز اور لہسن کی طرح بدبودار چیز کھا کر جانے کی اجازت نہیں۔(۸۷) کیونکہ ان کی بدبو سے ہم نشینوں کو زحمت ہوتی ہے۔ مسجد میں تھوکنا منع ہے۔ لغو، بے مقصد اور بے ہودہ گفتگو کی اجازت نہیں، شور وشغب حرام ہے۔ سوائے ضروری گفتگو یا ذکر الٰہی کے خاموشی کی پرسکون فضا طاری رہتی ہے۔ نماز کے دوران میں دل کی رغبت کے ساتھ امام کی وفادارانہ اطاعت رہتی ہے۔ وہ جب خطبہ دیتا ہے تو سامعین نظم وضبط کی مورتیں بنے ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں تاکہ مقرر کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی ان سنا نہ رہ جائے۔ سوال کرنا ہو تو انتہائی ادب اور شائستگی سے کیا جاتا ہے کہ نہ اس میں لغویت کا شائبہ ہو اور نہ عدم تعظیم کا پہلو نکلتا ہو، الغرض صحن مسجد میں مجلسی آداب کا تقریباً ہر شعبہ سامنے آجاتا

تربیت کی بنیادیں سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

سادگی کی تعلیم اور عمل کے ذریعے تربیت:

آپ ﷺ کی طبیعت میں بڑی سادگی تھی، آپ ﷺ سادہ لباس پہنتے، سادہ کھانا کھاتے اور سادہ طریقے سے رہتے سہتے، جو سامنے آجاتا کھا لیتے تھے، پہننے کے لئے جو ملتا پہن لیتے، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے، آپ ﷺ کو تکلف سخت ناپسند تھا۔(۸۹) آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کے لئے بدن ڈھانکنے کو ایک کپڑا اور پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی کافی ہے۔(۹۰) آپ ﷺ کا عمر بھر اس پر عمل رہا، بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ہمیشہ کپڑوں کا ایک جوڑا رہا، دوسرا کبھی نہ ہوا، ایک بار آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ کیا تمہیں برا نہ معلوم ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔(۹۱) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ بی بی عائشہؓ نے چھت میں کپڑا لگا رکھا ہے آپ ﷺ نے اسے پھاڑ ڈالا اور فرمایا اینٹ پتھر کو کپڑے پہنانے سے کیا فائدہ، آپ ﷺ اپنے ساتھیوں میں ملے جلے رہتے، اپنے آنے پر ان کو کھڑا ہونے سے منع کرتے، اپنا کام آپ ہی کر لیتے کسی اور کو تکلیف نہ دیتے، اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے، گھر میں جھاڑو خود دے لیتے، بازار سے خود ہی سودا سلف لے آتے، آپ ﷺ کو کسی کام سے عار نہ تھی۔(۹۲) ایک دفعہ سفر میں تھے کہ کھانے پکانے کی ضرورت پڑی، آپ ﷺ کے ساتھیوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا، ایندھن لانے کا کام آپ ﷺ نے اپنے ذمہ لے لیا۔(۹۳) آپ ﷺ فرماتے مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنے آپ کو تم سے الگ رکھوں یا بڑا جانوں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو۔(۹۴)

اخلاقی تربیت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے نرم دل خوش مزاج اور اچھی عادتوں والے تھے،

آپ ﷺ کسی کا دل نہ دکھاتے کسی کو برا نہ کہتے، سب سے اچھی طرح ملتے، آپ ﷺ کے ایک صحابی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی، اس لمبی مدت میں آپ ﷺ نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا نہ مارا۔ نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، اور یہ کیوں نہ کیا۔(۹۵) آپ ﷺ نہایت رحم دل اور مہربان تھے، ہر ایک سے آپ ﷺ محبت سے پیش آتے اور جہاں تک ہوتا لوگوں کی درخواستوں کو پورا کرتے، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے، ایک دفعہ ایک صحابیؓ کی شادی ہوئی ان کے پاس ولیمے کے لئے کچھ نہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، اس دن حضرت عائشہؓ کے پاس اس آٹے کی ٹوکری کے سوا شام کے لئے کچھ نہ تھا۔(۹۶) آپ ﷺ بڑے مہمان نواز تھے، آپ ﷺ کے ہاں کوئی مہمان آتا آپ ﷺ اس کی خاطر کرتے، ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ کے ہاں مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ ہوتا ان کو کھلا دیا جاتا اور پورے گھر کو فاقہ کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ہاں ایک کافر مہمان ہوا، آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ سے پلایا، وہ سیر نہیں ہوا، آپ ﷺ نے دوسری بکری منگائی یہ اس کا بھی دودھ پی گیا، اس طرح سات بکریاں منگوائیں اور جب تک اس کا پیٹ نہ بھرا آپ ﷺ اسے دودھ پلاتے رہے۔(۹۷) آپ ﷺ غریبوں یتیموں اور مظلوموں کا بڑا خیال کرتے تھے کسی سے غلطی ہوتی اسے معاف کردیتے، قرض داروں کے قرض خود ادا کرتے، جس کا کوئی نہ ہوتا اس کا سہارا بنتے، کمزوروں کی مدد کرتے، آپ نے دیکھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ دوسروں کے ساتھ کتنا اچھا تھا، پس آپ بھی دوسروں سے ایسا ہی سلوک کریں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مصیبتوں اور تکلیفوں سے نہیں گھبراتے تھے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر سخت سے سخت ظلم توڑے گئے، آپ ﷺ نے کبھی پریشانی ظاہر نہ کی اور آپ ﷺ پہاڑ کی طرح اپنے ارادوں میں مضبوط رہے، آپ ﷺ کی ساری عمر فقر و فاقہ میں گزری، آپ ﷺ کو بڑے سرکش دشمنوں سے پالا پڑا تھا آپ ﷺ کو لوگوں نے بہت ستایا، آپ ﷺ کو سخت سے سخت باتیں سننا پڑتی تھیں، لیکن آپ ﷺ نے یہ سب کچھ بڑے صبر سے برداشت کیا۔

عجز وانکساری کی تربیت:

عین اس عہد میں کہ لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی غلام بن کر بھیجے جا رہے ہوں، فاطمہؓ بنت رسول ﷺ جا کر اپنے ہاتھوں کا چھالا اور سینے کا داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینے پر پڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں اور ادھر اُدھر نظر اٹھا کر کاشانہ نبوت کا جائزہ لیتے ہیں، آپ ﷺ ایک کھری چارپائی پر آرام فرما رہے تھے، جسم مبارک پر بان کے نشان پڑ گئے ہیں ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کل کائنات تھی، حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے عرض کرتے ہیں یارسول اللہ ﷺ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا مقام ہوگا؟ قیصر وکسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ پیغمبر ہو کر، آپ ﷺ کی حالت یہ ہے، ارشاد ہوتا ہے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر وکسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت (۹۸) ابوسفیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے حریف تھے فتح مکہ کے دن حضرت عباسؓ کے ساتھ وہ اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں کہ رنگ برنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آ رہا ہے، قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آ رہی ہیں، ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں عباس تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا، عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔ (۹۹) عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے، اور مذہب کے عیسائی تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مندیوں اور جہاد کا ساز وسامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے، کہ محمد ﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعتاً مدینے کی ایک غریب لونڈی آ کر کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضور ﷺ سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں دیکھو، مدینے کی جس گلی میں کہو میں تمہاری بات سن سکتا ہوں، یہ کہہ کر

اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔(۱۰۰) اس ظاہری جاہ وجلال کے پردے میں یہ عجز، یہ خاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ گلے سے صلیب اتار ڈالتے ہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دیتے ہیں اور سچے دل سے مسلمان ہو جاتے ہیں۔(۱۰۱) آپ ﷺ کی مجالس میں آنے والوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی، عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال وجواب کرتے۔ خلق نبوی کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے۔ آپ ﷺ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں۔ صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمت اقدس میں حاضر ہیں۔ ایک شخص آتا ہے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور حاشیہ نشینوں میں کوئی امتیاز نظر نہیں آتا، لوگوں سے پوچھتا ہے ''محمد کون ہے؟'' صحابہؓ بتاتے ہیں کہ ''یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں''۔ وہ کہتا ہے ''اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا، خفا نہ ہونا۔ آپ ﷺ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔(۱۰۲) باتیں ہمہ سادگی اور تواضع، یہ مجالس رعب ووقار اور ادب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وتلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا۔ اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں۔ لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے۔ مثلاً یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے، وہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کیے گئے تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا کہ ''جو پوچھنا ہے پوچھو، میں سب کا جواب دوں گا۔'' حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا ''رَضِینَا الخ''(۱۰۳) کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا۔ ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا، بعض اوقات آپ ﷺ گفتگو کرتے ہوتے،

کوئی صحرانشین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعۃً آجاتا اور عین سلسلۂ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا، آپ ﷺ سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہوکراس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ تقریر فرمار ہے تھے، ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا، قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ تقریر کرتے رہے، حاضرین سمجھے کہ آپ ﷺ نے نہیں سنا، کسی کسی نے کہا ''سنا'' لیکن آپ ﷺ کو ناگوار ہوا۔ آپ ﷺ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ ''پوچھنے والا کہاں ہے؟'' بدو نے کہا ''میں یہ حاضر ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے'' بولا ''امانت کیوں کر ضائع ہوگی؟'' فرمایا ''جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا''۔ (۱۰۴)

کبھی آپ ﷺ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اس سے لوگوں کی جودت فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوتا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے پوچھا ''وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے؟ اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے''۔ لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا۔ میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن میں کمسن تھا اس لئے جرأت نہ کرسکا۔ بالآخر لوگوں نے عرض کی حضور بتائیں۔ ارشاد فرمایا ''کھجور'' عبداللہ بن عمرؓ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کردیا ہوتا۔ (۱۰۵) ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، صحابہؓ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہو رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا دونوں عمل خیر کر رہے ہیں۔ لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔ (۱۰۶)

تربیت کے عناصرِ ترکیبی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محبت الٰہی:

راتوں کو سناٹے میں اٹھ کر آپ ﷺ کبھی دعا و زاری میں مصروف ہوتے، کبھی

قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت میں خدا سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے۔(۱۰۷) عبادت شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا۔ جن کی نسبت آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ ''ان کے معاوضہ میں دنیا و مافیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے ہیچ ہیں۔(۱۰۸) ایک دفعہ ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہوئی، اس کا بچہ گم تھا، محبت کا جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگالیتی، اور اس کو دودھ پلاتی، آپ ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا: کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے''؟ لوگوں نے عرض کی ''ہرگز نہیں'' فرمایا: ''تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے، جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے'' (۱۰۹) آپ ﷺ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ سمجھتے تھے، وفات سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا، اس میں فرمایا: ''میں خدا کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا دوست ہو، کیونکہ اللہ نے مجھے اپنا دوست بنالیا، جس طرح ابراہیمؑ کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناسکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا'' وفات کے وقت زبان مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہورہا تھا وہ یہ تھا: اَللّٰھُم الرَّفِیْقُ الاَعْلٰی اللہ صرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا: اب آپ ﷺ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے۔(۱۱۰)

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ:

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی اڑادی جائے (نعوذ باللہ)، حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریر سن رہی تھیں، وہ روتی ہوئی آپ ﷺ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو تسکین دی، اور وضو کے لئے پانی مانگا، وضو کرکے آپ ﷺ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہوگئے۔ جب خاص صحن حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو خود بخود ان کی نگاہیں جھک گئیں۔(۱۱۱) شب

ہجرت گھر کے چاروں طرف دشمنان قریش محاصرہ کیے ہوئے تھے، لیکن آپ ﷺ نے اذن الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا اس وقت سورہ یٰسین کی ابتدائی آیتیں زبان مبارک پر تھیں ۔ جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے ۔ مکہ سے نکل کر آپ ﷺ نے مع حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غار ثور میں پناہ لی، قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا، اور اس لئے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہوگا، وہ آپ ﷺ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اسی غار کے پاس پہنچ گئے ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پرخطر حالت میں کسی کے حواس درست رہ سکتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑے گی'' لیکن آپ ﷺ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا: ''ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو ۔'' (۱۱۲) پھر جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا، غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے ۔ غزوۂ نجد سے واپسی میں آپ ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا، یہاں بہت سے درختوں کے جھنڈ تھے ۔ دوپہر کا وقت تھا، صحابہؓ درختوں کے سایہ میں اِدھر اُدھر سو رہے تھے ۔ آپ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا...... استراحت فرما رہے تھے، آپ ﷺ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی، کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، چپکے سے آیا اور آپ ﷺ کی تلوار نیام سے باہر کی اور آپ ﷺ کے سامنے آیا کہ دفعتہً آپ ﷺ ہشیار ہوئے دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے ۔ بدو نے پوچھا: ''اے محمد ﷺ! اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟'' ایک پر اطمینان صدا آئی ''اللہ''! ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا، کہ یہ آپ ﷺ پر حملہ کی گھات میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو کہ یہ قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا'' ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے ۔ خیبر میں جس یہودیہ نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا اس سے آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ: ''تم نے یہ حرکت کیوں کی؟'' اس نے جواب دیا کہ: ''آپ ﷺ کے قتل کرنے کے لئے''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''خدا تم کو اس پر مسلط نہ کرتا۔''(۱۱۳)

صبر و شکر:

رنج و غم کس کی زندگی میں نہیں آتے، لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور از خود رفتہ نہ ہو تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کر لے اور یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے، کامیابی اور ناکامی کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔قرآن مجید نے اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔(ترجمہ): جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوان قضا میں لکھ دی گئی ہیں۔ یہ بات خدا کے لئے آسان ہے، یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو۔خدا مغرور اور محارب کو دوست نہیں رکھتا۔(۱۱۴) مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے۔لیکن مکہ وخیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا۔ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی طوی میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ ﷺ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر توقف کیا تا کہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں۔ پھر یہاں تک آپ ﷺ جھکے کہ آپ ﷺ کی ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔(۱۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے عبادت اور تسبیح و تحلیل کیا کرتے تھے۔بعض صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! خدا تو آپ ﷺ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا، اب آپ ﷺ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں، ارشاد ہوا:

اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا (۱۱۶)

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

یعنی یہ تسبیح وتحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لئے تھی تو اب اس مرتبہ کے عطیہ د

حصول پر شکرگزاری اور احسانمندی کے اعتراف میں ہے، دنیا کے اعاظم رجال جن کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا، اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو، اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب دواب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔لیکن مقربین الٰہی کی اصطلاح میں یہ تخیل شرک وکفر کے ہم پایہ ہے، ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر قادر کل کا دست غیر موئی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، حدیث میں آیا ہے(۱۱۷) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکرادا کرنے کے لئے آپ ﷺ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے سجدۂ شکرادا کیا۔(۱۱۸) اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات پر آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ ﷺ فوراً سجدۂ الٰہی بجالائے۔(۱۱۹) وحی کے ذریعہ جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا اسؓ پر خدا درود بھیجے گا تو اس رفع منزلت پر آپ ﷺ نے سجدۂ شکرادا کیا۔(۱۲۰) حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور راستے میں ایک مقام کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر گئے، اور دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے، پھر سر اٹھا کر بدستور دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے، اور پھر دیر تک سجدے میں رہے، اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی، اس دعا وسجود سے فارغ ہوکر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: ''میں نے اپنی امت کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا، میں شکر کے لئے سجدے میں گرا، پھر مزید درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے وہ بھی قبول کی، میں سجدۂ شکر بجالایا اور پھر دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی درجہ قبولیت بخشا اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔''(۱۲۱) صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں یہ دونوں متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہوگئے تھے۔اور آپ ﷺ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا۔حدیث شریف میں ہے ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ: ''یارسول اللہ ﷺ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟'' ارشاد ہوا کہ: ''پیغمبروں پر پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں پر''۔(۱۲۲) واقعات بھی اس روایت کی تصدیق

کرتے ہیں، آپ ﷺ سردار انبیاء تھے، اس بنا پر دنیا کے شدائد و مصائب کا بار اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کے دوش مبارک پر تھا، اسی لئے قرآن مجید میں بار بار آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، سورۃ احقاف میں ہے:

وَاصْبِرْ لَمَا صَبَرَ اُولُوالْعَزْمِ مِنَ الرَّسُوْلِ (۱۲۳)

(اے پیغمبر!) جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔

مسلمانوں کے نظام تربیت پر غیر مسلم مفکرین کی آراء

مہاتما گاندھی:

میں نے پیغمبر اسلام اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اسلام کے متعلق جس قدر بھی مطالعہ کیا ہے اس سے مجھے پختہ یقین ہوگیا ہے کہ اسلام کی ترقی و اشاعت میں تلوار ہرگز کام نہیں کر رہی تھی، بلکہ اس کی تعلیم اور تجربہ تھا، جس نے اس عہد کی زندگی میں اسلام کی ضرورت کو تسلیم کرالیا۔ سب سے زیادہ جس چیز نے اثر کیا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ کس قدر سادگی ہے، اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں گم کر کے آپ نے کیسا عملی پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اخلاق عامہ، ہمدردی، بنی نوع انسان، احباب و متعلقین کے ساتھ آپ کی گہری محبت و مودت، بے خوفی، خدا ترسی، بھروسا اور اپنا کامیاب مشن ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے اسلام کو دنیا کی نظروں میں وقیع بنادیا اور پیغمبر اسلام کی خوبیوں اور کمالات و احسان کا ہر ایک قائل ہوگیا۔ صرف اور صرف یہی چیزیں تھیں نہ کہ شمشیر جس نے دنیا کی ہر مشکل پر عبور حاصل کر کے اسلام کا پرچم لہرادیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ جنوبی افریقہ کے یورپین لوگ جنوبی افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے خیال اور تصور سے بہت خوف زدہ ہیں۔ اسلام وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو تہذیب اور علمی کلچر کا نصب العین سمجھایا، جس نے اندلس و اسپین میں یورپی تمدن کو سنوارا، اور جس نے مراکش سے لے کر پیرس تک شمع علم روشن کردی، اور جس نے سارے جہان کو اخوت اور بھائی

چارہ کی علمی تعلیم دی۔ کیا جنوبی افریقہ کے یورپین ایسے مذہب سے ڈرتے ہیں، ہاں ضرور ڈرتے ہوں گے، کیونکر ہاں کیونکہ انہیں یہ خدشہ ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام پھیل گیا تو وہاں سیاہ فام آبادی گوری قوموں سے مساوات کی طلب ہوگی اور سفید فام لوگوں کی شہنشاہیت دب جائے گی، واقعی ان کا خوف بجا ہے، ان کو یقین ہے کہ اسلام رنگ ونسل کے امتیاز کو قطعی مٹادے گا، اور جنوبی افریقہ میں یورپین آبادی کے مظالم ختم ہو جائیں گے اور ہر جگہ باہمی مساوات واخوت کا دور دورہ ہو جائے گا، میں نے خود دیکھا ہے کہ اگر زولو (حبشی) عیسائی ہو جائے تو تب بھی وہ عیسائیوں کے ساتھ مل جل نہیں سکتا۔ نہ ان کے ساتھ کھا سکتا ہے، نہ عملی طور پر وہ مسیحی بھیڑوں کے گلے میں شامل ہوسکتا ہے، اس اچھوت پن کو عیسائیت دور نہیں کر سکتی، دور کرسکتا ہے تو صرف اسلام ہی دُور کرسکتا ہے، کیونکہ جوں ہی ایک حبشی یا کوئی اور کم درجہ کا آدمی مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی رفعت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی وہ بڑے سے بڑے مسلمان کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتا ہے، اور عبادت کر سکتا ہے، اس کا نمونہ عیسائیت اور یورپین شہنشاہیت پیش کرنے سے قاصر ہے، اور اسی لئے جنوبی افریقہ میں یورپین آبادی اسلام کی اشاعت و ترقی سے لرزتی ہے مگر وہ کچھ نہیں کرسکتی۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا جلوہ تاریک براعظم (افریقہ) میں ضرور پہنچے گا۔ (۱۲۴)

مسٹر ایم ایس: (ہندو رہنما، کانگریسی لیڈر ممبر مرکزی اسمبلی):

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خدا نے عرب کے بادیہ نشینوں کے سامنے جو قدیم زمانہ کے رسم ورواج کی تاریکی میں بھٹکے ہوئے تھے حق وصداقت اور ہدایت کی روشنی پیش کی، آپ ﷺ کی تعلیمات نے تمام قوم میں حیات تازہ پیدا کردی اور ان میں وہ مجاہد پیدا کئے جنہوں نے تمام دنیا میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ عہد حاضرہ کی انسانی تہذیب اور ترقی میں مسلمانوں کی مساعی کا بیشتر حصہ ہے، اسلام کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ لغو توہمات اور بے کار رسوم کی بندشیں توڑنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے انسان کو ان بوسیدہ رسوم اور روایات کی

زنجیروں سے آزاد کیا جنہوں نے انسانیت کو تباہ اور برباد کر دیا تھا اور پھر اسلام نے انسان کو اس کے حقیقی خالق سے روشناس کرایا۔(۱۲۵)

ٹیگور (ہندو مذہب کے بہت بڑے رہنما، شاعر):

اسلام دنیا کے چند عظیم الشان مذاہب میں سے ایک ہے۔ ہندوستان میں جو قومیں آباد ہیں، ان کے مابین مصالحت کی واحد امید اسی چیز پر منحصر نہیں ہے کہ وہ ذہانت کے ساتھ اپنے قومی مفاد کو حاصل کریں بلکہ روحانی فیضان کے اس ابدی سرچشمہ پر منحصر ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حاملین صداقت کی نا قابل فنا اور امر یسرتوں سے ابلتا ہے جو خدا کے محبوب اور انسانوں سے محبت و الفت رکھنے والے اور اعلیٰ اخلاق و صفات کے مالک تھے۔(۱۲۶)

سوامی نرائن:

گیتا میں جیسا کہا گیا ہے کہ خرابیاں حد سے متجاوز ہو جاتی ہیں تو ان کے دور کرنے کے لئے سدھارکوں کا جنم ہوا کرتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کا جنم عرب میں ہوا اور انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ کو نہایت ریاضت کے ساتھ ختم کر کے وہ قابلیت حاصل کر لی جو مروجہ خرابیوں کے دور کرنے کے لئے انہوں نے ہر مصیبت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور بالآخر عرب کو ان سے پاک کر دیا۔ اور باتوں کے سوا اگر ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ایک اسی بات کو اپنے خیال میں رکھیں تو اسی ایک بات سے اُن کا درجہ دنیا کے بڑے سے بڑے آدمیوں کی صف میں اُن کا شمار کرانے کے لئے کافی تھا میں اسی لحاظ سے ان کی عزت کرتا ہوں۔(۱۲۷)

پروفیسر اندر جی (آریہ سماج کے رہنما، اخبار ارجن کے مالک):

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ایک ایشورداد کے زبردست پرچارک تھے۔ وہ سنسار کی سب سے بڑی پر دل سچائی کے ایک پربھاؤ شالی وکیل تھے۔ منشیہ جاتی کے ایک بڑے حصہ پر اُن کے اپکار کا بوجھ ہے، جس منشہ کے ہردے میں آتمک داد کے لئے تھوڑی

بھی شردھا ہے جو کاہلی کے جیون کے اپکشاہ تجسوی جیون کو اوپک پرسن کرتا ہے وہ اسلام کے پرورتک کی اسمرتی میں بھگتی کے دو پھول چڑھائے بنا نہیں رہ سکتا۔ (۱۲۸)

برنارڈ شاہ:

میں نے ہمیشہ محمد ﷺ کے مذہب کو بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا ہے، کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز زندگی پائی جاتی ہے۔ میرے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے اندر ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ بلاشبہ دنیا کو چاہئے کہ میرے جیسے بڑے آدمیوں کی پیشین گوئیوں کی از حد قدر ومنزلت کرے، چنانچہ محمد ﷺ کے مذہب کی نسبت میری پیشین گوئی یہ ہے کہ امروز فرد، میں یورپ اسی کو قبول کرے گا، اس وقت اس قبولیت کی ابتدا ہوگئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا آدمی موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو اسے موجودہ دنیا کی ان تمام الجھنوں کو سلجھادے میں ایسی کامیابی ہوگی کہ دنیا کو جس امن وشادمانی کی اس قدر ضرورت ہے وہ امن وشادمانی دنیا کو حاصل ہو جائے گی۔ دور حاضر کا یورپ تو بہت ہی ترقی کر گیا ہے لیکن انیسویں صدی میں یورپ نے اتنی ترقی حاصل نہیں کی تھی، اس وقت بھی یورپ کے اندر کارلائل اور گوئٹے اور گبن جیسے ایمان دار مفکرین موجود تھے، جنہوں نے محمد ﷺ کے مذہب کی حقیقی قدر وقیمت پہچان لی تھی اور اس لئے ان کے زمانے سے اسلام کے ساتھ یورپ کے طرز عمل میں ایک خوشگوار تبدیلی شروع ہوگئی تھی، مگر دور حاضر کے یورپ کو محمد ﷺ کے مذہب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نسبت ہوتی جارہی ہے۔ بیسویں صدی تک یورپ کے قدم اس معاملہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں گے اور یورپ اپنی الجھنوں کو سلجھانے کے باب میں محمد ﷺ کے مذہب کی فائدہ رسانی کو محسوس کرے گا۔ (۱۲۹)

لامارٹائن:

فلسفی، پیغمبر، قانون دان، فاتح، نظریات کو تبدیل کرنے اور علاقوں پر ہی نہیں دلوں کو

فتح کرنے والی عظیم شخصیات میں سے زیادہ عظیم یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے۔(۱۳۰)

تھامس کیلے:

تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک تنہا آدمی نے بگڑے ہوئے قبیلوں اور بدوؤں کی تہذیب کو بدل کر تہذیب یافتہ بنادیا اور وہ بھی صرف ۲۰ سال کی مختصر مدت میں۔(۱۳۱)

ایڈورڈ گبن، سائمن اوکلے:

محمد ﷺ ایک انسان تھے، انہوں نے بکھری ہوئی انسانیت کو متحد کیا اور انہیں نیکی او سچائی کے ساتھ رہنے کا سبق سکھایا۔(۱۳۲)

مسز سروجنی نائڈو:

مذہب اسلام پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کا سبق سکھایا، یہ سبق مساجد سے دن میں پانچ مرتبہ دہرایا جاتا ہے جس میں نوع انسانی کو فلاح کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اسلام سب کو بھائی چارے کا سبق دیتا ہے۔(۱۳۳)

پروفیسر ہرگرونجی:

انجمن اقوام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی، یہ اسلام ہے جو پوری انسانیت کو متحد اور بھائی چارگی کا سبق دیتا ہے۔ دنیا کی اور کوئی قوم یا مذہب انسانیت کو وہ سبق نہ دے سکے جو تنہا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔(۱۳۴)

مغربی تعلیم وتربیت کے نقائص

آج دنیا میں مختلف نظریات اور اِزموں کی بھرمار نے فضا کو دھندلا دیا ہے۔ بے یقینی اور عدمِ اطمینان کی کیفیت نے انسان کا انسانیت پر اعتماد متزلزل کر دیا ہے۔ لوگ اور معاشرے غموں سے دل گرفتہ اور دکھوں سے آزردہ ہیں، جب کہ انسان ہر مادی آسائش کے

باوجود ناآسودہ ہے۔ گوہر مقصود مفقود، سچی خوشی کا حصول محال اور ایک لمحے کی طمانیت عنقا۔ ہر طرف دہشت ووحشت اور بے یقینی وبے اطمینانی ہے۔قومیں قوموں سے،فرقے فرقوں سے، طبقے طبقوں سے دست وگریباں ہیں اور کش مکش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہر شخص خودغرضی میں مبتلا ہے۔ نیکی، شرافت اور اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں۔ آج انسان کی علمی سطح بہت بلند ہوچکی ہے۔وہ بڑے بڑے خوش نما فلسفے گھڑتا ہے لیکن اس کی تمام تدبیریں ناکام ہوچکی ہیں، انسان کو اللہ کی ہدایت اور اس کے رسولوں کی رہنمائی کی ضرورت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔موجودہ دور کے انسان کی سب سے بڑی مشکل، متفقہ اقدار، کا نہ ہونا، جنہیں سب مل کر تسلیم کرسکیں اور جو انسانیت کے شیرازے کو مجتمع رکھ سکیں اور جو اخوتِ انسانی کا باعث ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں تصادم اور کش مکش کا ایک طوفان برپا ہے، اور اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ یہ سب سے بڑی گتھی ہے، جس کے حل ہونے پر دوسری گتھیوں کے سلجھنے کا دارومدار ہے۔

۱۱ستمبر کی ستم کاریوں کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور امریکہ کی موجودہ قیادت اقتدار اور قوت کے نشے میں عالمی قانون اور روایات، اخلاق اور تہذیب کے تمام مسلمہ ضابطوں کو پارہ پارہ کر کے دنیا میں ظلم، تشدد اور دہشت گردی کا ایک طوفان برپا کررہی ہے، لیکن اس کا ایک نہایت مکروہ اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر دہشت گردی کی کسی متعین تعریف سے مکمل صرف نظر کر کے دنیا کو ایک نہ ختم ہونے والے تصادم، بے یقینی اور قتل وغارت گری کی جہنم میں دھکیل دیا گیا ہے اور ہر اختلاف، تحکم، ناانصافی اور سامراجی تسلط کے خلاف احتجاج، آزادی اور حقوق کی ہر جدوجہد پر دہشت گردی کا لیبل لگانے کا گھناؤنا کھیل کھیلا جارہا ہے۔(۱۳۵) دہشت گردی کی روک تھام کے لئے کوئی معاہدہ اس لئے طے نہیں پاسکا کہ سیاسی ترجیحات کے باعث اس کی تعریف مسائل کا شکار رہی۔ اگر ایک نقطہ نگاہ کے مطابق ایک شخص دہشت گرد ہے تو دوسرے نقطۂ نگاہ کے مطابق یہ شخص آزادی کی خاطر لڑنے والا ہے، اور یہی وجہ ہے بین الاقوامی قانون کے مطابق اس عمل کا احاطہ نہیں کیا

جاسکتا ہے۔(۱۳۶)

سائسرو Cicero سے لے کر جس نے کہا تھا: ''قتل کرنا ایک نیکی ہے'' یورپ میں ابتری پھیلانے والوں، روس میں بائیں بازو کے انقلابیوں تک اس نوعیت کے لٹریچر کی کوئی کمی نہیں۔(۱۳۷) گو حتمی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے دفاع میں یہ لٹریچر بھی فی الحقیقت ایک تدبیر سے زیادہ مقام نہیں رکھتا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان سارے علمی اور فلسفیانہ مباحث کا حاصل بھی اس سے مختلف نہیں۔ دہشت گردی بہ نفس نفیس نہ کسی مسئلے کا حتمی حل ہے اور نہ یہ کوئی مستقل نظریہ ہے۔(۱۳۸) دہشت گردی کی تشریح کے ضمن میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے مرتکب افراد اس کوشش میں ہیں کہ دہشت گردی کو محض ایک تدبیر کے بجائے ایک نظریہ یا اصول کے طور پر پیش کر کے اس مسئلے کو الجھا دیا جائے تاکہ دنیا کے سامنے اس کا کوئی واضح تصور نہ پیش کیا جاسکے وہ دہشت گردی کی جڑیں مسخ شدہ مذہبی رجحانات میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، کیونکہ اس کے سبب دہشت گردی کی حقیقی وجوہات اور اس کے وقوع اور بڑھاوے کا باعث بننے والے فیصلہ کن پالیسی امور کے بجائے اس کا رُخ اقدار کے مابین تنازعہ اور تہذیبوں کے ٹکراؤ کے خیالی تصورات کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں امریکہ کے نوقدامت پسند از خود صدر بش جو گل افشانیاں کر رہے ہیں وہ بڑی خطرناک اور دنیا کو نہ ختم ہونے والے تصادم اور تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اس سلسلے میں evil ideology اور Islamo-fascism کی اصطلاح بڑے خطرناک نتائج کی حامل ہوسکتی ہے۔(۱۳۹)

ہن ٹنگٹن کے نظریے میں صرف ادھوری حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاشبہ اسلام اور مغرب دو مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔(۱۴۰) لیکن اس کی یہ بات انتہائی غلط اور گمراہ کن ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے اور ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کے لئے آپس میں جنگ کرنی چاہئے۔(۱۴۱) ایک دوسرے سے مختلف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے ضرور جنگ کی جائے۔ جھگڑا اور فساد تب پیدا ہوتا

ہے جب زیادہ طاقت ورفرد یا قوم، اپنی بالادست قوت کے ذریعے دوسروں پر اپنی اقدار اور حکمرانی مسلط کرنے کا حق جتاتی ہے۔(۱۴۲) یہ صرف اپنی ثقافت کوتمام دنیا میں پھیلانے کے اسی مبینہ فرض کا شاخسانہ ہے جس کے باعث جھگڑا اور فساد پیدا ہوتا ہے ورنہ محض تنوع اور تکثیریت اس کا قطعاً باعث نہیں، اور یہ قوت کے ذریعے ایک ملک کی دوسروں پر بالادستی اور ایک تہذیب کے دوسری تہذیبوں پر غلبے کا فلسفہ اور پالیسی ہے۔(۱۴۳) جسے ہم ''تہذیبی دہست گردی'' ہی کہہ سکتے ہیں، جو موجودہ تصادم، بحران اور جھگڑے کی بنیاد ہے۔جس کے باعث افراد و اقوام جنگ، دہشت گرد کارروائیوں اور قتل عام کی طرف دھکیلی جا رہی ہیں۔(۱۴۴) اگر دیگر افراد اقوام کی روایات وعقائد کا احترام ایک اصول اور ضابطے کی شکل اختیار کر لے تو پھر اقوام کے درمیان معاہدہ برائے باہمی بقا، تعاون اور صحت مندانہ مسابقت پیدا ہو جائے گی اور انسانیت پھر دوبارہ سے زندہ ہو جائے۔(۱۴۵) اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے یعنی دیگر افراد/ اقوام کے عقائد کا احترام نہ کہ بالادستی، تو پھر یہ دنیا یقینی طور پر امن و امان اور انصاف کی بستی بن سکتی ہے۔پھر تہذیبوں کے مابین تصادم کے خدشات تحلیل ہو سکتے ہیں۔(۱۴۶) اور دہشت گردی کا پراسرار خوف زمین میں دفن ہوسکتا ہے۔(۱۴۷) کیا اب بھی وہ لمحہ اور وہ وقت نہیں آیا کہ جب دہشت گردی سے آگے کا سوچا اور اس کے لئے کوشش کی جائے؟ کیا انسان اس متبادل حل کونظر انداز کرنے کا متحمل ہوسکتا ہے؟(۱۴۸)

دنیا میں ارب پتی افراد کی فہرست میں ۱۰۴ نئے ناموں کا اضافہ ہوا ہے۔اب یہ تعداد ۶۹۱ ہوگئی ہے۔دنیا کے ۱۰امیر ترین افراد میں بل گیٹس پہلے نمبر پر، وارن بفے دوسرے نمبر پر، بھارت کے لکشمی میتل تیسرے نمبر پر اور سعودی عرب کے الولید طلال السعود پانچویں نمبر پر آئے ہیں۔(۱۴۹) مذکورہ بالا پہلی رپورٹ کے مطابق امیر لوگوں کی تعداد میں اضافے کی رفتار سال کے مقابلے میں جنوبی کوریا میں ۲۳ فیصد، بھارت میں ۱۹٫۳ فیصد، روس میں ۱۷٫۴ فیصد سے بڑھ رہی ہے۔انڈونیشیا، ہانگ، سعودی عرب، سنگاپور، متحدہ عرب امارات اور برازیل میں یہ تعداد دوگنی ہو رہی ہے، جب کہ چین میں اس کی رفتار ۶٫۸ فیصد ہے۔ان

رپورٹوں کے مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ماضی قریب میں جہاں جہاں کمیونزم اپنی پوری شان وشوکت سے قائم تھا، اب وہاں کے عوام بھی حصولِ دولت کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں، چین کی پارلیمانی ۱۹۴۹ء کے انقلاب کے بعد اب مارچ ۲۰۰۴ء میں اپنے آئین میں انتہائی اہم ترمیم کے ذریعے ملک میں پہلی بار نجی ملکیت کے تحفظ سے متعلق ایک قانون کی منظوری دی ہے۔ اس ترمیم کے ذریعے چین نے کمیونزم کی اس بنیادی شق کو ترک کر دیا ہے کہ پیداوار کے ذرائع عوام کی ملکیت ہوں گے، اس اجلاس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کرپشن چین کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔(۱۵۰)

اس وقت دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام اپنے پورے عروج پر نظر آ رہا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ یہ نظام انتہائی تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ درحقیقت کارپوریٹ عالم گیریت کو ترقی دینے کے لئے ہے اور آزادانہ تجارت اس جنگ ہی کا ایک ہتھیار ہے۔ یہ لکھتی ہیں کہ صدر بش اور ڈک چینی کی پہلی انتخابی مہم کے دوران یعنی ۲۰۰۰ء کے امریکی انتخابات میں ان کو اپنے مدمقابل امیدوار سے ۱۳ گنا زیادہ سرمایہ تیل وگیس کی کثیر قومی کمپنیوں نے فراہم کیا تھا، جب کہ ۲۰۰۴ء کے صدارتی الیکشن میں ان کو مدمقابل سے دگنے سے زیادہ فنڈ ملے۔ صدر بش کی پالیسیوں کی وجہ سے امریکہ کی ۲۹ بڑی تیل کمپنیوں نے ۲۰۰۳ء میں ۴۳ ارب ڈالر، جب کہ ۲۰۰۴ء میں ۶۸ ارب ڈالر کا منافع کمایا ہے۔ امریکہ اپنے اس سرمایہ دارانہ نظام کو بڑھانے کے لئے مشرقِ وسطیٰ کے تیل وگیس پر اپنی کمپنیوں کے ذریعے کنٹرول کر کے وہاں کی مارکیٹوں میں امریکی مصنوعات کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ (مڈل ایسٹ فری ٹریڈ ایریا) کے نام سے ایک آزادانہ تجارت کا زون قائم کر رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ایران کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے تاکہ وہاں کے وسائل تک بھی اس کی دوبارہ رسائی ممکن ہو سکے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ امریکہ عسکری اور معاشی غلبہ حاصل کرے جس سے دنیا میں امن قائم رکھا جا سکے۔(۱۵۱)

''بش اور بلیئر وہ لوگ ہیں جو صرف اور صرف دنیا کے وسائل پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس راہ میں کتنے معصوم لوگ مارے جاتے ہیں'' اس تقریر کے دوران پنٹر نے مطالبہ کیا تھا کہ بش اور بلیئر پر جنگ میں جھوٹ کا پلندا پھیلانے کے جرم میں عالمی جرائم کی عدالت میں مقدمہ چلانا چاہیے۔اسی طرح ایک ''چالیس سولیوان'' نامی امریکی صحافی نے لکھا ہے کہ ''جب بش یا کوئی سرمایہ دار یہ کہتا ہے کہ دنیا میں آزادی ہونی چاہیے'' تو اس کا مطلب ومعنی وہ نہیں ہوتے جو ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں، بلکہ انکا مطلب یہ ہے کہ تجارت، مارکیٹ اور اس قرح کی پیداوار کے تمام وسائل کی خرید وفروخت پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے تاکہ یہ تمام وسائل وہ اس کی قیمت لگا کر اپنے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں اور ان کی گرفت میں لے ائیں۔'' (۱۵۲)

آج کے دور میں تیل کا دوسرا نام دولت ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جہاں تیل کے ذخائر ہیں وہاں امریکی افواج بھی موجود ہیں۔اپ نائیجیریا ہی کی مثال لے لیں۔ وہاں تو کوئی القاعدہ یا اسلامی تنظیم نہیں جس سے امریکہ کو بزعم خود اپنی سلیت کا خطرہ لاحق ہو لیکن وہاں بھی امریکی افواج موجود ہیں۔(۱۵۳) گارڈین اخبار کے نمائندے کو بتایا کہ ان کی خلیج گنی میں موجودگی کی اصل وجہ یہ ہے یہاں کے تیل کے ذخائر کو یہاں کی غریب انتہاپسند آبادی سے بچایا جائے۔(۱۵۴) اس کے مطابق ۱۹۹۰ء میں امریکہ اپنی روزانہ تیل کی ۵/۱ فیصد ضرورت اسی تیل سے پوری کرتا رہا ہے۔ نائجیریا ہر سال تقریباً ۳۰ بلین ڈالرز کا تیل فروخت کرتا ہے۔اس میں سے ۱۰ بلین ڈالر سیدھے وہاں کے فوجی جنرل کے اس کھاتے میں چلے جاتے ہیں جو مغربی ممالک کے بینکوں میں ہے اور یہ بینک اس سرمایے سے، جو چوری اور کرپشن کا ہے، نہ جانے کتنا منافع کماتے ہیں۔نائجیریا کے حکومتی اہل کار وہاں مغربی وامریکی تیل کمپنیوں سے براہ راست رابطہ رکھتے ہیں، اور جہاں بھی وہاں کی مقامی آبادی اپنے حقوق کے لئے کھڑی ہوتی ہے، اُسے سختی کے ساتھ کچل دیا جاتا ہے۔مثلاً جولائی ۱۹۹۳ء میں تیل کے علاقے میں ۱۳۲ نہتے بچوں، عورتوں اور مردوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا کیوں کہ وہ

اپنی سرزمین سے پیدا ہونے والے تیل کی قیمت سے دو وقت کی روٹی کا مطالبہ کررہے تھے۔ اسی طرح اگست میں ۲۴۷ معصوم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ستمبر میں ہزاروں انسانوں کا قتل کیا گیا۔ وہاں موجود امریکی اور مغربی تیل کمپنیاں وہاں کی حکومت کو عوامی جدوجہد کچلنے کے لئے ہر بیرل پر ایک ڈالر ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ وہاں کے ایک بڑے عوامی لیڈر کین سارو دائیوا کو صرف اس لئے پھانسی دے دی گئی کہ وہ چاہتا تھا کہ تیل کے علاقے میں رہائش پذیر عوام کو ان کا کچھ حصہ دیا جائے تاکہ وہ اپنی غربت کی زندگی میں کچھ اسانی پیدا کرسکیں۔ اس لیڈر کی سزا پر نیلسن منڈیلا نے امریکہ سے مطالبہ کیا کہ وہ نائجیریا پر اقتصادی پابندیاں لگادیں۔ لیکن امریکہ نے صرف ایک بیان جاری کیا کہ وہ اس کی سخت مذمت کرتا ہے۔ (۱۵۵) امریکہ تیل کی خرید کے بدلے انسانوں کا خون خرید رہا ہے۔ اس پورے باب میں تیل کے حصول کے سلسلے میں جو انسانوں کا خون خریدار رہا ہے۔ اس پورے باب میں تیل کے حصول کے سلسلے میں جو انسانوں پر ظلم ہو رہا ہے اس کی داستان پڑھ کر انسان چیخ اٹھتا ہے، لیکن یہ سرمایہ دارانہ نقام کا بنیادی نکتہ ہے کہ پیداوار کے وسائل کو حصال کرو چاہے اس کی راہ میں کتنے ہی لوگ کیوں نہ مارے جائیں۔ (۱۵۶)

ورلڈ فوڈ پروگرام اور فوڈ ایڈ کی رپورٹوں کے مطابق ۱۹۶۰ء کے عشرے سے لے کر اب تک دنیا میں اتنی خوراک پیدا ہو رہی ہے کہ یہ اس کرۂ ارض کے تمام انسانوں کے لئے وافر ہے، لیکن اس کی غلط تقسیم اور وقت پر ضرورت مندوں کو اس کی رسائی جیسے مسائل کی وجہ سے اس دنیا میں ۸ کروڑ ۵۰ لاکھ انسان فاقے کا شکار ہیں۔ ان میں سے تین کروڑ تعداد بچوں کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس زمین پر ہر ساتواں انسان بھوکا رہتا ہے۔ بھوکے بچوں کی آبادی دنیا میں امریکہ کی پوری آبادی سے زیادہ ہے۔ اس خوبصورت دنیا میں ہر چار سکینڈ کے بعد ایک انسان بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے۔ روزانہ ۲۵ ہزار انسان بھوک سے مرجاتے ہیں۔ ان میں ۱۸ ہزار معصوم بچے ہوتے ہیں۔ ہر سال ۹۰ لاکھ انسان خوراک کی قلت کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ ۱۰ مرنے والوں میں ۹ مرنے والوں کی خبر کسی کو نہیں ہوتی۔ اس وقت بھوک دنیا کی سب

سے بڑی بیماری ہے جس نے مرنے والوں کی تعداد ایڈز، ملیریا یا کینسر کی بیماریوں سے مرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ (۱۵۷) دنیا کے ۵۴ ممالک ایسے ہیں جو اپنی آبادی کو پوری خوراک مہیا کرنے سے قاصر ہیں، اس لئے کہ وہاں پر خوراک پیدا نہیں کی جاسکتی کہ وہاں پانی کے وسائل میں کمی ہے یا وہاں غریب عوام کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ بیج خرید سکیں یا وہاں امن وامان کی صورت حال خطرناک ہے، یا وہاں خشک سالی کا مسئلہ ہے یا ان ممالک کے آمر حکمرانوں کی حکمت عملی غلط ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ان تمام ممالک کے پاس اپنی ضرورت کی خوراک پیدا کرنے کے تمام وسائل موجود ہیں۔ اب پاشی کے نقام سے حاصل ہونے والی خوراک دنیا کی ۴۰ فیصد ہے، جب کہ اس کا رقبہ صرف ۱۷ فیصد ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر یہ ممالک اپنے مسائل کو حل کرلیں تو دنیا میں غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔ دنیا کے غریب اور بھوکے عوام اپنی آمدنی کا ۷۰ فیصد صرف غذائی اجناس خریدنے میں صرف کرتے ہیں، جب کہ امریکہ میں ہر سال ۳۳ بلین دالر صرف خوراک اور وزن کم کرنے والی ادویات پر خرچ کیا جاتا ہے، ورلڈ فوڈ پروگرام کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۵ء تک بھوک و افلاس کو آدھا کرنے کے لئے صرف ۱۲۰ بلین ڈالر کی ضرورت ہے، جب کہ ترقی یافتہ ممالک ہر سال ۳۰۰ بلین ڈالر اپنے کسانوں کو زرتلافی کی مد میں ادا کرتے ہیں۔ اگر اس رقم کا ایک ہفتے کا خرچ فوڈ پروگرام کو دے دیا جائے تو ایک سال کے لئے دنیا کے بھوکے انسانوں کو کھانے کے لئے غذا مہیا کی جاسکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ ۹۰ لاکھ انسانوں کو ایک سال کی زندگی دی جاسکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک ۔ کے عوام اوسطاً ہر روز اپنی غذا پر ۱۰ دالر خرچ کرتے ہیں، جبکہ دنیا میں بھوکے انسانوں کو اپنی روٹی کے لئے صرف ۳۰ سینٹ چاہئیں۔ (۱۵۸) ماضی قریب میں سرمایہ دارانہ نقام کو کمیونزم اور سوشلزم سے خطرہ تھا، لہٰذا اُس وقت تک سرمایہ دار کچھ نہ کچھ غریب عوام کا خیال کرتے تھے تاکہ ان کے اپنے ممالک میں کمیونزم اور سوشلزم نہ آجائے۔ اب جب کہ سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کی ہے، اس وقت سے خوراک کے عالمی پروگرام کی امداد میں بھی کمی

ہونا شروع ہوگئی ہے۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کی رپورٹ کے مطابق اس ادارے کو ۱۹۹۹ء میں ۱۵ ملین ٹن خوراک مدد میں ملی تھی جو کہ ۲۰۰۴ء میں صرف ۵ء۷ ملین رہ گئی ہے، یعنی اس میں نصف کی کمی واقع ہوئی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں اسے ایک بلین ڈالر کی امداد ملی تھی جو کہ ۲۰۰۳ء میں صرف ۲۴۴ ملین ڈالر رہ گئی ہے۔ ۲۰۰۴ء میں ورلڈ فوڈ پروگرام نے دو تہائی خوراک ترقی یافتہ ممالک سے خریدی تھی۔ (۱۵۹)

بھارتی میگزین فرنٹ لائن کے مطابق بھارت کے دارالحکومت دہلی میں کم از کم ایک لاکھ ۴۰ ہزار بچے، عورتیں اور مرد سڑکوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں سے متعدد رات کو سردی کی وجہ سے دم توڑ جاتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق پورے بھارت میں ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ انسان سڑکوں پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی آبادی کے بارے میں ایک رپورٹ کے مطابق بھارت میں ۸۱ فیصد لوگ ۲ ڈالر سے بھی کم آمدنی پر روزانہ اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں، جب کہ بھارت میں آپ کو اربوں روپوں سے بنے گھر بھی نظر آئیں گے۔ ٹائم میگزین کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارت کے ایک شہر ممبئی میں ۱۳۰۰/ افراد کے لئے صرف ایک بس ہے۔ ایک ہزار کاروں کے لئے پارکنگ کی صرف دو جگہیں ہیں۔ ۲۷ لاکھ انسانوں کے لئے صرف ایک رفاہی اسپتال ہے۔ اس شہر میں ۱۷۵۰/ افراد کی گنجائش والی ریل گاڑی میں تقریباً ۴۵۰۰ افراد سفر کرتے ہیں۔ ہر سال ۳۵۰۰ افراد اس سفر کے دوران کسی نہ کسی حادثے کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایک تہائی آبادی کے پاس پینے کے لئے صاف پانی موجود نہیں، جب کہ ۲۰ لاکھ سے زیادہ انسانوں کو بیت الخلاء کی سہولت نہیں۔ (۱۶۰)

امریکی معاشرے کی تعلیم وتربیت کے اثرات:

امریکہ کے ایک شہر لاس اینجلس میں ہر رات ۹۱ ہزار غریب لوگ اس شہر کی سڑکوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ ان رپورٹوں کو پڑھنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ رہی ہے کہ دنیا میں امیر وغریب کے درمیان فرق بڑی تیزی

سے بڑھ رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں امیروں کی تعداد میں سیکڑوں کے حساب سے، جب کہ غریبوں کی تعداد میں لاکھ کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔(۱۶۱) گزشتہ صدی کے آغاز پر دنیا کے امیر ترین ۱۰ ممالک دنیا کے غریب ترین ۱۰ ممالک سے صرف ۳۰ گنا زیادہ امیر تھے، جب کہ ۱۹۶۰ء میں امیر ترین ممالک اپنے مدمقابل غریب ترین ممالک سے ۱۳۱ گنا زیادہ امیر ہیں۔ اس کے خیال کے مطابق نئی ہزاریے (میلینیم) میں کرۂ ارض کو سب سے بڑا چیلنج امیر اور غریب عوام میں بڑھتا ہوا فرق ہے۔ ان دونوں کے درمیان بے پناہ عدم مساوات ہے، جب کہ ان کا درمیانی فاصلہ تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی مثال اس طرح دیتے ہیں کہ امریکہ میں اوسط خاندانی سالانہ آمدنی ۵۵ ہزار ڈالر ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی کو روزانہ ۲ ڈالر سے بھی کم پر زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ گویا دنیا کے ایک ارب ۲۰ کروڑ انسان صرف ایک ڈالر روزانہ پر گزارا کرنے پر مجبور ہیں، یعنی صرف ایک ڈالر کھانے، رہائش اور لباس کے لئے۔ حفظانِ صحت اور تعلیم کے لئے کیا باقی رہ جاتا ہے۔ ان حالات میں انسان کی عزتِ نفس یا روشن مستقبل کی اُمید کا باقی رہنا تو مشکل ہوگا۔ ان کے مطابق امریکہ کا پورا معاشرہ تقسیم در تقسیم ہوتا جا رہا ہے اور یہ تقسیم کالے، گورے یا ہسپانوی کے درمیان نہیں بلکہ یہ تقسیم امیر اور غریب کے درمیان ہے۔(۱۶۲)

محسن انسانیت ﷺ کے نظامِ تعلیم وتربیت میں دنیا کے مسائل کا حل موجود ہے

آج دنیا میں ''اخوت انسانی'' کا فقدان ہے، اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ انسانی اخوت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام انسانوں کے مابین کوئی قدرِ مشترک نہ دریافت کر لی جائے، انسانی معاشروں کے مابین کسی ''قدرِ مشترک'' کے حصول کے لئے سب سے بڑی بنیاد توحید ہے۔ اشتراکِ عقیدہ کے لئے توحید پر اتفاق نہایت ضروری ہے، یعنی انسان اللہ کی چوکھٹ کے سوا کسی انسانی بارگاہ پر، خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کتنی ہی معتبر اور مقتدر کیوں

نہ ہو، اپنی جبین نیاز نہ جھکائے۔ یہی وہ پیغام ہے جو سورۂ آلِ عمران میں دیا گیا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ (۲:۶۴)

اے نبی ﷺ، کہو اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے ساتھ بلند ہوئی۔ رحمت الٰہی کا فیضان عام ہوا، وحدانیت کی برکات ارزاں ہوئیں۔ بے چین اور آوارہ و سرگرداں دنیا کو پیامِ امن وراحت اور انسانی قافلوں کو پرچم رسالت کے سائے میں جگہ میسر آئی۔ یہ دعوت کسی خاص قوم وگروہ، خطے یا علاقے تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کی برکتیں اور رحمتیں تمام بنی نوع انسان کے لئے تھیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ يُحْيِـي وَيُمِيتُ فَآمِنُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ○(۱۵۸)

اے محمد (ﷺ) کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی (ﷺ) پر جو اللہ اور اس کے ارشادات

کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اُس کی، امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔

گویا اس آیت میں حسب ذیل نکات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دعوت پوری حقیقت کے ساتھ واضح کردی گئی ہے۔ ا۔ یہ تعلیمات یکساں طور پر تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ (۱۶۵) ۲۔ یہ ایک اللہ کے آگے سب کے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (۱۶۶) ۳۔ ایمان باللہ وکلماتہٖ اس کا شعار ہے، (۱۶۷) یعنی اللہ پر اور اس کے کلمات وحی پر ایمان لازمی ہے۔ (۱۶۸) آپ ﷺ نے اپنے مخاطبین سے نزاع یا افتراق پیدا کرنے کے بجائے اس بات کی کوشش فرمائی کہ جن اصولوں پر اشتراک واتحاد ہے اس کے مشترکہ پہلوؤں کو استدلال کے ذریعے واضح کردیا جائے تاکہ مخاطب داعیِ حق کی بات سننے کی طرف راغب ہو۔ (۱۶۹) اس میں ضد اور ہٹ دھرمی کا مادہ کم سے کم پیدا ہو اور پھر اس کے سامنے ان نتائج کو رکھا جائے جو اس کے اپنے اقرار کردہ اصولوں سے لازمی طور پر نکلتے ہیں تاکہ وہ ان کو اپنی بات سمجھ کر قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ (۱۷۰)

اہل کتاب سے بحث نہ کرو۔

بہرصورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور عہدِ قدیم کی دیگر اقوام کے درمیان ''قدرِ مشترک'' کو تلاش فرمایا اور اس کو بنائے بحث واستدلال بنایا۔ نوعِ انسانی اپنے ظاہری اختلافات کے لحاظ سے کتنی ہی متفرق اور پراگندا کیوں نہ نظر آئے لیکن اس کے اس تفرق اور دُوری کی تہہ میں بے شمار اصول وقواعد ایسے بھی ہیں جن پر سب متحد ہو سکتے ہیں۔ آفاق کے قوانین وضوابط، فطرت کے مظاہر، تاریخ کے مسلمات اور بنیادی اخلاقیات میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں شرق وغرب اور عرب وعجم سب ایک ہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرزِ استدلال اور طریق دعوت کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ جو لوگ ایمان قبول

کرتے گئے ان کو ذہنی وفکری طور پر مزید اطمینان حاصل ہوا اور وہ اس پر پوری طرح جم گئے، اور معاشرے کا وہ طبقہ جو شک و تذبذب اور شبہات و احتمالات کا شکار تھا اور قبولِ حق میں چند رکاوٹوں کے سبب ہچکچا رہا تھا، اس طرزِ استدلال سے مطمئن ہو گیا۔(۱۷۱) ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گتھی کو انتہائی خوش اسلوبی سے سلجھایا ہے۔ آپ ﷺ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے سامنے یگانگت، ہم آہنگی اور اتحادِ عالم کے تصورات ان دلائل کی روشنی میں رکھے کہ دنیا کے انسان جو کبھی پیدا ہوئے تھے، جو آج موجود ہیں، اور جو آئندہ رہتی دنیا تک پیدا ہوں گے، ان کا پیدا کرنے والا، پالنے والا، ان کی زندگی و موت کا مالک، ان کے لئے زندگی کا تمام سامان بہم پہنچانے والا، انہیں جسمانی، ذہنی، روحانی، ہر قسم کی قوت بخشنے والا، صرف اللہ ہے۔ اسی نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی اس نظامِ عالم کا نگران اور مدبر و منتظم ہے۔ وہی تمام انسانوں کا مالک اور آقا ہے اور وہی ان کا حقیقی فرماں روا ہے۔ نبی ﷺ اللہ کی جو کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے لائے اس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۱۷۲) "شکر و ستائش اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے"۔ سے ہوتی ہے۔ اور

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَٰهِ النَّاسِ ۝ (۱۷۳)

کہہ دیجئے میں پناہ چاہتا ہوں تمام انسانوں کے پروردگار کی، تمام انسانوں کے بادشاہ کی اور تمام انسانوں کے معبود کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو بندگی کی دعوت دی۔ دنیا کو ساری بندگیوں اور غلامیوں سے نجات دی، زندگی کی حقیقی نعمتیں جن سے انسانوں نے خود اپنے آپ کو محروم کرلیا تھا دوبارہ عطا کیں، وہ طوق سلاسل انسانوں کے گلوں سے اتارے جو خود انہوں نے پہن رکھے تھے۔

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ

وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ
وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَـٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ○ (۱۷۴)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ برائی سے روکتے ہیں۔ پسندیدہ چیزیں حلال کرتے ہیں، گندی چیزیں حرام ٹھہراتے ہیں۔ اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے، اُن پھندوں سے نکالتے ہیں جوان پر پڑے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان، نیا یقین اور نئی تہذیب عطا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ اور انسانیت کے کام کی عمر شروع ہوتی ہے کہ خود فراموشی میں جو زمانہ گزرا وہ اعتبار کے قابل نہیں اور بنیا دو نابینا اور زندہ و مردہ ایک پلڑے میں نہیں رکھے جا سکتے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ○ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ○
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ○ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ
إِنَّ اللَّـهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي
الْقُبُورِ ○ (۱۷۵)

اور برابر نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور نہ تاریکی اور نہ اجالا، اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ اور زندہ آدمی اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔

دنیا کا ہر متمدن انسان، فطرتاً مکاہیت پسند، پرسکون اور خوش گوار زندگی کا خواہاں ہے۔ دہشت و بربریت اور بدامنی و بے چینی سے اس کی طبیعت ابا کرتی ہے۔ مذہب اسلام، انسان کی اس فطری ضرورت کا بہر صورت پاس و لحاظ رکھتا ہے اور اسے ایک ایسا نظام حیات عطا کرتا ہے جس کے اصول و مبادی، اوامر و نواہی اور احکام و مسائل امن و سلامتی کی حسین

لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ جس ذاتِ عالی کا نازل کردہ دستورِ حیات ہے اس کی ایک صفت ''اسلام'' یعنی مرجع امن وسلام بھی بیان ہوئی ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○(۱۷۶)

اسلامی تصورِ امن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر انسان کی جان اور خون کو محترم قرار دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں قتل ناحق سب سے بڑا گناہ ہے۔ حتیٰ کہ وہ کسی ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل تصور کرتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا آتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْ اَخْدَانٍ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ○(۱۷۷)

آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا یعنی ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا یعنی ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے اور پاک دامن عورتیں جو مسلمان ہوں اور وہ پاک دامن عورتیں جو ان کو حبالہ نکاح میں لانے والے ہو عالانیہ، بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنا مقصود ہو، اور جو شخص ایمان کے احکام کا انکار کرے گا تو یقیناً اس کے سب نیک اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

کوئی شخص محض عقیدہ، زبان اور قومیت کی بنیاد پر حق زیست سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اسلام مخلوط سوسائٹی میں پر امن بقائے باہم کا نظریہ ہی نہیں پیش کرتا، بلکہ وہ عملاً اس کے استحکام کے لئے بھی کوشش کرتا ہے۔ وہ جہاں یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے غیر مسلم بھائیوں سے خندہ پیشانی سے ملو اور ان کے سلام کا گرم جوشی سے جواب دو:

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۝ (۱۷۸)

اور جب تم کو کوئی سلامتی کی دعا دے، یعنی سلام علیک کرے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں سلام کا جواب دو یا کم از کم انہی الفاظ کے ساتھ دعا دو جو پہلے شخص نے کہے تھے۔

وہاں فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لئے ہر مذہب کے مذہبی رہنماؤں کی تکریم بھی سکھاتا ہے۔ عام طور پر جب لوگ لفظ امن بولتے یا لکھتے ہیں تو اس کا سیدھا سادا مفہوم عدم جنگ لیتے ہیں۔ یہ امن کا منفی تعریف ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے معنی جنگ کے علاوہ کچھ اور ہیں جو اس کے مثبت کردار کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو جنگ کی طرح وقوع پذیر نہیں ہوتا اور یہ امن ایسے حالات کا نام ہے جس میں جماعت یا ملکوں کے درمیان احترام باہم اور صحیح معنوں میں باہم سرگرم تعاون کی فضا پائی جاتی ہو اور پھر یہ بڑھ کر بالآخر پوری دنیا کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ (۱۷۹) کیونکہ انسان جب متعدد معبودوں کی پرستش کے باوجود بھی، روحانی امن و سکون سے محروم رہتا ہے تو اسلام کا نظریہ توحید اسے تسلی دیتا ہے کہ:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ۝ (۱۸۰)

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں تو ایسے ہی لوگ پر امن ہیں اور یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔

یعنی امن و سکون تو اہل توحید کے لئے مقدر ہے۔ جب اسے دوسروں کے عیش و طعم کے مقابلے میں اپنی بدحالی دیکھ کر پریشانی لاحق ہوتی ہے تو عقیدہ قضا و قدر اس کے لئے

سامانِ تسکین ثابت ہوتا ہے۔ جب وہ بے راہ رو ہونے لگتا ہے تو عقیدۂ آخرت اور اُس کی ہولنا کی اُسے راہِ راست پر لے آتی ہے، اور جب وہ کسی کا حق مارنے اور قتل وخون کا ارادہ کرتا ہے تو اسلام کا نظریۂ قصاص و جنایات اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے۔ اس طرح فرد کی زندگی امن حقیقی سے آشنا ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مذاہب کے ماننے والوں کو آپس میں بھائی اور امت واحدہ قرار دیا: سب لوگ بھائی بھائی ہیں۔(۱۸۱) دوسری جگہ فرمایا: وہ سب ایک امت ہیں۔(۱۸۲) حکم دیا: یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں یہ لوگ رات دن میں جب چاہیں ناقوس بجائیں۔ البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ ہیں، رہیں گے یہ لوگ عید کے دن صلیب نکالیں۔(۱۸۳) ایک اور جگہ فرمایا: کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے نہ روکو ورنہ وہ بے سوچے سمجھے حد سے تجاوز کر کے اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○(۱۸۴)

اور رات اور دن میں جو بھی سکونت پزیر ہے وہ سب اسی کی ملک ہے اور وہی سب سنتا اور جانتا ہے۔

اعلان کیا کہ مذہب کے معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ اَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلاَ مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلاَ تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْظَّالِمِينَ ○(۱۸۵)

اور ہم نے آدم سے کہا اے آدم! سکونت اختیار کرلو اور تیری بیوی جنت میں، اور تم دونوں اس میں سے خوب جی بھر کر جہاں سے چاہو کھاؤ اور وہاں دیکھوں اس مخصوص درخت کے قریب مت جانا، ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

دین میں زبردستی نہیں ہے، دوسری جگہ فرمایا کہ:

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا○(۱۸۶)

جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

ہر قابل ذکر مذہب کی ''اصل'' کو تسلیم کیا جیسا کہ ان آیتوں سے ثابت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ○(۱۸۷)

اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا (رسول) نہ گزرا ہو۔

المر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ○ (۱۸۸)

اے پیغمبر آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ○ (۱۸۹)

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکدار اور چاند کو روشن بنایا اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم لوگ برسوں کا شمار اوقات کا حساب معلوم کرسو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں نہیں پیدا کیں، مگر کمال حکمت کے ساتھ، اللہ تعالیٰ اپنے دلائل ان لوگوں کے لئے مفصل بیان کرتا ہے، جو لوگ اہل علم و دانش ہیں۔

ہر امت کے لئے رسول ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ○(۱۹۰)

ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن
کے حالات تمہیں سنائے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں
سنائے۔(ان کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے)

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا
تَأْكُلُونَ○(۱۹۱)

بے شک ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا (جس کی تعلیم کا خلاصہ
یہ تھا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (سرکشی قوموں) سے بچو۔

ہر مذہب کی بنیادی تعلیم میں وحدت تسلیم کی، جیسا کہ ان آیتوں سے ظاہر ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ○(۱۹۲)

نیکی یہ نہیں ہے کہ (رسمی طور پر) تم نے اپنا منہ پورب اور پچھم کی طرف کرلیا
بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر تمام کتابوں پر
اور تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے، اپنا مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں،
مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتا ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ
کرتا ہے، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا اور قول وقرار کا پکا ہونا ہے۔ تنگی اور
مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں ثابت قدم رہنا
ہے۔ ایسے ہی لوگ (دیندار ہیں) سچے ہیں اور یہی برائیوں سے بچنے والے
ہیں۔

بنیادی تعلیم کی دعوت کے ساتھ مذہب کی مختلف شکلوں میں رواداری برتنے کا حکم دیا،

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

الصُّدُورِ O (۱۹۳)

ہر ایک کے لئے ایک شریعت (دستور العمل) اور طریقہ (راہ عمل) مقرر کر دیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن یہ اختلاف اس لئے ہوا کہ اس نے جو تمہیں دیا ہے اس میں وہ تمہاری آزمائش کرے۔ پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ:

تَنزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ O (۱۹۴)

پھر انبیاء بنی اسرائیل کے بعد اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک شریعت پر قائم کیا، پس آپ اس کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو علم نہیں رکھتے۔

اسلام، علم کے زیور سے آراستہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ اسلام علم حاصل کرنے اور موزِ کائنات کا کھوج لگانے پر جتنا زور دیتا ہے، کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اسلامی معاشرے میں جاہلوں اور بے علم لوگوں کو ہرگز وہ مقام نہیں مل سکتا جو صاحب علم لوگوں کو حصال ہوا کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہئے کہ تو عالم ہو، متعلم ہو، علم سننے والا اور علم سے محبت رکھنے والا ہو، اگر کوئی پانچویں صورت اختیار کی تو (یاد رکھ) ہلاک ہو جائے گا۔ (۱۹۵) آپ ﷺ نے علم کو ان امور مس شامل کیا ہے جن پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا O (۱۹۶)

میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس طرح آپ ﷺ نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو دلوں سے جہالت کے اندھیرے نکال کر ان کی جگہ علم کی شمعیں جلا دیتا ہے۔

الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئاً إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ O (۱۹۷)

وہ طلاق رجعی دومرتبہ ہے پھران دوطلاقوں کے بعد حسن معاشرت کے ساتھ رکھ لینا ہے یا بھلے تقریقے سے چھوڑ دینا ہے اورتم کو یہ حلال نہیں ہے کہ جوتم ان کو دے چکے ہواس میں سے کچھ واپس لے لو،مگر ہاں جب کہ دونوں میاں بیوی کو اس بات کا خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو اس کا ڈر ہو کہ وہ دونوں میاں بیوی حدودِ خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس مال کے دینے لینے میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں، جو عورت خاوند کو دیکھ کر اپنی جان چھڑا لے یہ مذکورہ احکام حدود خداوندی ہے، ان سے گے نہ بڑھو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے نکلے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُواْ النِّسَاء كَرْهاً وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُواْ بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلاَّ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراًO(۱۹۸)

جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے ایمان والوں تم کو یہ بات حلال نہیں، کہ تم عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو، اور نہ یہ حلال ہے کہ بلا وجہ ان کو اس غرض سے قید کر رکھو جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ واپس لے لو مگر ہاں اس وقت جبکہ وہ کسی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرو۔ پھر اگر ان کو پسند نہ کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ نے اسی میں بہت زیادہ بھلائی رکھی۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوْا (۱۹۹)

مردوں کا وہ حصہ جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔ خواتین نے جب آپ ﷺ سے تعلیم کے لئے ملنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کردیا اور الگ جگہ کا تعین فرمادیا۔ (۲۰۰) اسلام خواتین کے بارے میں کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا، انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہاں، اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے: ا۔ اسلامی نظام تعلیم میں لڑکیوں کے لئے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہئے۔ ۲۔ ان کے لئے نصاب تعلیم الگ ہونا چاہئے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور ارشادات نبی کریم ﷺ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُواْ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِO (۲۰۱)

اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَO (۲۰۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدم کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلسا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ انکے مالوں میں کمی کی جائے گی اور مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ حکمرانِ امویہ، عباسیہ، اندلسیہ و فاطمیہ کے عہد حکومت میں اقوامِ غیر کا صدیوں تک آباد رہنا مسلمانوں کی بے تعصبی کی روشن دلیل ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر کو متعصب قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے دربار میں ہندو امرا کی فہرست اکبر کے دربار سے زیادہ لمبی ہے۔ سیاست حاضرہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ

بے تعصبی اور رواداری ہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ایک سیر چشم مسلمان یہ اعتراض تو تسلیم کرسکتا ہے لیکن یہ کبھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔ (۲۰۳)

اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا:

وَ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَاO (۲۰۴)

یعنی ترک تمدن بدعت ہے۔

اسلام انسان کی خودی کی تعمیر کر کے اسے ایسا روشن خیال بنا دیتا ہے جس کی دنیا اور دین کے درمیان فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اسے معاشرے کا ایسا فرد بنا دیتا ہے جس کی زندگی کا کوئی پہلو کمزور نہیں رہتا۔ وہ اسے اپنے خالق کا سچا بندہ، والدین کا سعادت مند بیٹا، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے والا، تمدن کا پورا محافظ، فرماں بردار، راست گو، امانتدار، صلح پسند، فساد کا دشمن اور نسل انسانی کا دوست بنا دیتا ہے۔ اور پھر ایسے افراد مل کر جو معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو اس میں اعلیٰ ترین مدنیت از خود ہر طرف سے جھلکتی نظر آتی ہے۔ اعلیٰ ترین تمدن کا دعویدار یورپ، تمام دعوؤں کے باوجود عملاً ایسا نہیں کرتا۔ برطانیہ کی سلطنت میں، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز، سب شامل ہیں۔ لیکن ان کا کوئی باشندہ آج تک برطانیہ کا وزیر اعظم نہیں بن سکا۔ کوئی کیتھولک اس عہدے تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوسری طرف تاریخ اسلام شہادت دیتی ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا بھی دربارِ رسالت ﷺ سے فوجوں کی سپہ سالاری کا عہدہ پا سکتا ہے۔ ایک زرخرید غلام کے بیٹے کا نکاح سید البشر ﷺ کی پھوپھی زاد بہن سے ہوسکتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ اپنے غلام کو مارتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں: جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابوذرؓ زمین پر گر پڑتے ہیں اور غلام سے کہتے ہیں: اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔ عدالت میں ایک یہودی اور حضرت علیؓ کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر کیا عظیم منشورِ انسانی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا: لوگو! خبردار رہو، تم سب کا اللہ ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ تعلیمات تھیں جن پر چل کر مسلمانوں نے عملاً ایک عالم گیر اور روشن خیال معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا اور دنیا کو ماننا پڑا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر نسل کے لوگ اکھٹے کر کے محض ایک عقیدے کی بنا پر انہیں ایک امت بنا سکتا ہے۔ (۲۰۵)

معاشرہ کی سلامتی کے لئے سب سے پہلے ازدواجی زندگی کا پرسکون تصور پیش کرتا ہے، بقائے امن کی خاطر اختلاط مردوزن کو حرام اور عورتوں کے لئے پردہ لازم ٹھہراتا ہے۔ بدامنی پھیلانے والے عناصر کو قرار واقعی سزا کا مستحق قرار دیتا ہے کہ

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ (۲۰۶)

اسی طرح اگر زوجین کے مابین نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہ پاتی ہے تو خاندانی امن کو برقرار رکھنے کے لئے طلاق کی بھی اجازت دیتا ہے۔ آج آزادی نسواں کی دعوے دار مغربی دنیا کا جائزہ لیں تو پتا چلے گا کہ مغربی معاشرے میں خواتین کے چہرے کی شادابی غائب ہو چکی ہے، ان کا قلبی سکون لٹ چکا ہے کیونکہ ان کا فیملی سسٹم بگڑا ہوا ہے۔ نتیجتاً وہ اسلام کو اپنے لئے جائے امان تصور کرنے لگی ہیں۔ اسلام معاشرے میں قیامِ امن کی سعی کرتا ہے اور سد ذرائع کے اصول پر عمل کرتے ہوئے، بدامنی پھیلانے والے عناصر کو بیخ و بن ہی سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتا ہے،

جس طرح اسلام نے ایک ہمہ گیر عالمی اخلاقی نظام دیا ہے، اسی طرح اس نے ہر صنف، ہر طبقے اور ہر مذہب کے افراد کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں تا کہ انسانی بھائی چارے، احترامِ آدمیت اور معاشرتی وسماجی مساوات میں کہیں خلل واقع نہ ہو۔ انسانی حقوق کی ادائیگی میں اسلام نے قومی، وطنی، مذہبی اور طبقاتی عصبیت کا نام ونشان جس انداز میں مٹایا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ انسانی حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے وہ مسلمانوں کے لئے جو معیار مقرر کرتا ہے وہ یہ ہے: ''کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کی بھلائی کا جذبہ کسی انسان کے دل میں پیدا نہ ہوتو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ رنگ ونسل اور اس کے امتیازات کو ختم کرتے ہوئے عالم گیر معاشرت کے تصور کو، خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے یوں واضح فرمایا: ''اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ آدمؑ بھی ایک ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، مگر پاک بازی اور تقویٰ کی وجہ سے۔ سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور ادم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔'' خدا نے پہلے انسان کی تخلیق خلافت ونبوت کی ذمہ داری کے ساتھ کی تھی، اس لئے بنی نوع انسان کے ہر ہر فرد کو چاہئے کہ وہ اس دنیا میں خلافت الہٰی کا فریضہ ایک فرض شناس کی طرح انجام دے۔ وہ اس کائنات میں معین خدا بن کر نہیں بلکہ نائب خدا بن کر تصرف کرے۔ وہ صفاتِ الٰہی کا مظہر بن کر کائنات ارضی کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے۔ اس کو تخلقوا باخلاق اللّٰہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا مقلب یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کے خالق کی نظر جہان ہست وبود کی پہنائیوں سے بھی زیادہ وسیع ہے، اسی طرح انسان کے قلب ونظر میں وسعت و ہمہ گیری ہونی چاہئے۔ جس طرح اس کے رحم وکرم کا فیضان ساری مخلوق کے لئے عام ہے، اسی طرح اس کے دل میں بھی یہی ہمہ گیر جذبہ رحم وکرم موجزن ہونا چاہئے۔ اس کا خوانِ ربوبیت جس طرح اپنے نافرمانوں پر بھی بند نہیں ہوتا، انسان کو بھی اپنے اندر ربوبیت عامہ کا یہی جذبہ اُبھارنا چاہئے۔ وہ سب کو دیتا ہے مگر خود کسی سے کچھ لیتا۔ یہی بے

نیاز اور بے غرض جذبہ انسان کو اپنے دل کی گہرائیوں میں پیدا کرنا ہے۔ ساری مخلوق خدا کی عیال ہے، اس کے ایک ایک فرد سے اس کو محبت ہے، اس لئے ایک انسان کو ایک انسان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہئے جو وہ اپنے بال بچوں کے لئے پسند کرتا ہے۔

ہر انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل وتمیز دی ہے، پھر اس نے وحی کے ذریعے اس کو صحیح زاویۂ نظر اختیار کرنے کی طرف رہنمائی بھی کر دی ہے، اس لئے ہر شخص کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر چلتا رہے یا غلط عقیدہ قائم کر کے چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں میں بھٹکتا پھرے۔ بہر حال اس دنیا میں اسے کوئی نظریہ یا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲۰۷)

دین کے بارے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ (اس کا جی چاہے قبول کرے، جس کا جی چاہے نہ کرے)۔

قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ہر مسلمان کو تنبیہ کرتا ہے کہ:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً أَفَأَنْتَ
تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِيْنَ ○ (۲۰۸)

اگر اللہ چاہے تو زمین کے تمام رہنے والے مومن ہو جائیں تو کیا تم لوگوں کو مومن بنانے میں جبر واکراہ کرنا چاہتے ہو۔

اس نے محض حریت عقیدہ کا نظریہ ہی نہیں پیش کیا بلکہ عملی و قانونی طور پر اس کی حفاظت بھی کی ہے۔ اس لسلے میں کسی پر کوئی جبر نہ کیا جائے، جیسا کہ مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی کو اپنے کسی عقیدے کی طرف دعوت دینا ہے یا کسی کے عقیدے پر تنقید کرنی ہے تو عمدہ پیرائے اور نرمی کے ساتھ کرنی چاہئے۔

اُدْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيْلِهِ

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ (۲۰۹)

اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت وحکمت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اورلوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔

پوری اسلامی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ دعوت اسلام کے معاملے میں کبھی جبر کو اختیار نہیں کیا گیا اور غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کو ہمیشہ مقدم رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ان کی دینی آزادی کو واضح انداز میں متعین فرمادیا تھا۔ مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی اقدامات نے وہاں کی قومی زندگی کو ایک ہمہ گیر معاشرت سے بھی متعارف کرایا۔ ہجرت کے سال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے درجہ ذیل پانچ امور پر اپنی توجہ مبذول فرمائی:

۱۔ میثاق مدینہ کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہلیانِ مدینہ کو بین المذاہب یگانگت اور اتحاد کا درس دیا۔ میثاق مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایسا اقدام تھا جس کے نتیجے میں ریاست مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حاکمیت مسلم ہوگئی۔ ۲۔ مواخات کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاشی استحکام کا پروگرام دیا۔ اس طرح مکے سے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری و معاشی بحال ممکن ہوئی۔ ۳۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تعمیر کی گئی اور افرادِ معاشرہ کی تربیت کا کام بھی شروع کردیا گیا۔ ۴۔ ریاست مدینہ کا نظم ونسق چلانے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نظامِ سلطنت System Administrative دیا۔ ۵۔ ریاست مدینہ کے دفاع کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اقدامات فرمائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود ونصاریٰ سمیت کفارِ مکہ اور دیگر عرب قبائل کے ساتھ معاہدات فرمائے۔ ان معاہدات میں قابل ذکر بات یہ تھی کہ یہ سب کی سب اسلام دشمن سیکولر اکائیاں تھیں جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف نوعیت کے اتحاد کئے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو اتحاد بطور خاص مشہور ہوئے، اور نتائج کے اعتبار تاریخی اور فیصلہ کن اہمیت کے حامل ٹھہرے۔ ان میں ایک میثاق مدینہ اور دوسرا معاہدۂ حدیبیہ، میثاق مدینہ ایک ہجری میں

یثرب کے قبائل اور بالخصوص یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ہونے والا سیاسی اور دفاعی معاہدہ تھا، جب کہ معاہدۂ حدیبیہ ۶ ہجری میں عرب کی سب سے بڑی اسلام دشمن قوت کفار و مشرکین مکہ کے ساتھ طے پایا۔

بین المذاہب اور بین الاقوامی اتحاد و یگانگت کی بنیاد کو مؤثر اور مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے سب سے زیادہ زور بے لاگ اور مساویانہ انصاف پر دیا۔ اسلام کے نزدیک عدل و انصاف محض ایک قانونی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ وہ ضابطہ قانونی کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری بھی ہے، جو انصاف کو صرف عدالت تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ وہ انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے ہر گوشے میں مصنف اور عادل بناتا ہے۔ وہ جس طرح ایک فرد کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے، اسی طرح قومی، ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں بھی ہر ہر قدم پر اس کی نگرانی کرتا ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ (۲۱۰)

مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مکہ سے ہم کنار کیا تو اس موقع پر اس آیت کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کے جذبے کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کر دی گئی:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۲۱۱)

کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسب رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام

کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

وہ چیز جس سے بین المذاہب اور بین الاقوامی تصورات اور جذبات کو نظری اور عملی طور پر مضبوطی میسر آتی اور بھائی چارے کی فضا کو فروغ ملتا ہے، وہ معاہدات کی پابندی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدات کی پابندی کو اخلاقی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے ضروری قرار دیا ہے۔ معاہدہ خواہ شخصی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا تجارتی، صلح کا ہو یا امن وامان کے قیام وبقا کا۔ اس کی پابندی ہر صورت لازمی ہے۔ اسلام کا دامن توثیق معاہدات کے سلسلے میں بڑا وسیع ہے۔ اس کے نزدیک اگر برسر جنگ قوم بھی صلح اور مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھائے تو جب تک مسلمانوں کو کوئی شدید نقصان نہ ہوا ہو یا اس میں کوئی کھلا ہوا فریب نہ نظر آتا ہو، اس وقت تک اس کا خیر مقدم کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم وحدیث میں اس کی بار بار اور سخت تاکید آئی ہے اور عملی طور پر اسلامی حکومتیں اس کی پابندی کرتی رہی ہیں:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً (۲۱۲)

عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور باز پرس ہوگی۔

اسلام نے معاہدے کو اسلامی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کے فروغ اور اسلام کے استحکام کے لئے کثیر الجہات حکمت عملی اختیار فرمائی جس میں آپ ﷺ نے مخالف قوتوں کے ساتھ اتحاد و معاہدات کئے، یہود سے معاہدہ توحید کے ''مساوی کلمہ'' کی بنیاد پر طے پایا۔ دیگر کئی قبائل سے معاہدات طے کرتے وقت آپ ﷺ نے حالات کے مطابق حکمت عملی اختیار فرمائی۔ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف نے معاہدے کے لئے یہ مطالبات پیش کئے: ا۔ نماز سے استثنا، ۲۔ حرمت زنا سے استثنا، ۳۔ طائف کو حرم قرار دینا، ۴۔ فرضیت زکوٰۃ سے استثنا، ۵۔ فرضیت جہاد سے استثنا۔ آپ ﷺ نے انہیں پہلی دو شرطوں پر منوالیا اور بعد کی تین شرطیں مان لیں۔ صحابہ کرامؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اسلام ان کے دل میں جم جائے گا تو وہ خود بخود مکمل اسلام کو

مان لیں گے۔ آپ ﷺ نے صرف یہود مدینہ سے ہی نہیں بلکہ دیگر کئی قبائل مثلاً بنی ضمرہ، بنی غفار، نعیم بن مسعود اشجعی اور نجران کے عیسائیوں سے بھی معاہدات کیے۔ آپ ﷺ نے پیغمِ حق کے فروغ کے لئے مختلف النوع اتحاد کیے جو سماجی، سیاسی، عسکری و دفاعی، اقتصادی اور تجارتی نوعیت کے تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کی فضا پیدا کی۔ آپ ﷺ نے وہاں کے عام شہریوں اور یہودیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں ۴۸ دفعات ہیں۔ ان میں سے ہر دفعہ معاہداتی دنیا میں اپنی انفرادیت رکھتی ہے اور یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں دوسرے مذاہب کی کیا حیثیت ہے، نیز یہ کہ اسلام اپنے ہمسایوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کا کس قدر خواہاں ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کے استوار کرنے اور بین المذاہب اتحاد اور رواداری کو فروغ دینے میں دوست اور دشمن ملکوں کے سفرا اور نمائندوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بسا اوقات یہ سفرا اور نمائندے بڑے بڑے بگڑے اور الجھے ہوئے معاملات سلجھا دیتے ہیں اور کبھی ان کی ذرا سی غلطی سے بہت سے معاملات خراب بھی ہو جاتے ہیں۔ سفرا اور نمائندے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ نمائندے یا وفود جو کسی عارضی مہم پر یا کسی وقتی اقتصادی یا سیاسی معاملہ طے کرنے کے لئے کسی ملک میں آ جاتے ہیں اور دوسرے وہ سفیر جو مستقل طور پر اپنے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس وقت بین الاقوامی تعلقات کی استواری کے لئے ناگہانی اور معاشی ضرورتوں پر امداد کا طریقہ بھی رائج ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا تصور دوسرے تمام نظاموں سے زیادہ آفاقی اور پاکیزہ ہے۔ قریش اور ان کے ہم نوا قبیلوں کو مسلمانوں سے جو پرخاش تھی اور جس طرح وہ ان کے خون کے پیاسے تھے اس سے ہر ایک واقف ہے، مگر اسی دوران ایک زبردست قحط پڑتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوتی ہے۔ آپ ﷺ مدینہ سے اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کے پاس کھجوریں پانچ سو دینار نقد اس لئے روانہ فرماتے ہیں کہ وہ قحط زدہ اشخاص کی اس سے مدد

کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ امداد مدینہ جیسی غریب اور چھوٹی سی آبادی کی طرف سے اُس کو دی گئی جو دنیا میں اسلام کی سب سے بڑی دشمن تھی۔

حاصل کلام:

علم کی جستجو اور اس کی اشاعت دینی فریضہ ہے، اسی لئے علمائے اسلام نے اس راہ میں طلبِ صادق اور جہدِ پیہم کی حیرت انگیز مثالیں قائم کی ہیں۔ جو آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، خود عرب کا قریب ترین ماحول جو حضور اکرم ﷺ کا اولین میدانِ کار بنا، اس کا تصور کریں تو دل دہل جاتا ہے، لیکن حضور اکرم ﷺ عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر تنہا اٹھتے ہیں اور اپنی تعلیم اور تربیت کی روشنی سے ایک عالم کو منور کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب تک اپنا اوڑھنا بچھونا علم و ہنر کو رکھا دنیا میں سرخرو رہے، اور جوں ہی اس روشنی سے اپنی زندگیوں میں چراغاں کرنا چھوڑ دیا، دنیا میں رسوا ہوئے۔ موجودہ زمانہ میں ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر علم کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنائیں۔ بڑی بڑی قوموں، جابر و ظالم حکمرانوں اور غلط ماحول سے متاثر ہو کر حقائق کی راہ سے ہٹ کر قیاسی اور ادھورے نظریات پر اپنی زندگی کی تعمیر نہ کریں۔ اسلامی نظام تعلیم کی ذمہ داری یہ ہے کہ واضح علوم جو تقلید سے متاثر نہ ہوں پر نظامِ تعلیم کی بنیادیں استوار کی جائیں۔ ثابت شدہ یا الہامی ہدایات، مشاہدے اور تجربہ پر مبنی نظامِ تعلیم ہی ہمیں اچھے مستقبل کی نوید دے سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ایک نظامِ تعلیم و تربیت چلا کر قرآن کریم کی جو شراح پیش فرمائی ہے اسی سارے کارنامے کی مدد لے کر ہم تعلیمی خاکے میں صحیح رنگ بھر سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سیرت ﷺ، ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۴۳

۲۔ سورہ جمعہ، آیت ۱۱۲

۳۔ سیرت النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانی، جلد اول، ص ۱۶۲

۴. سیرت سرور دوعالم ﷺ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۶۰
۵. سورہ طہٰ، آیت ۳۵
۶. سورہ المجادلہ، آیت ۱۱
۷. سورہ الزمر، آیت ۱۰
۸. سورہ فاطر، آیت ۹
۹. ولی الدین، أبو عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ الخطیب مشکوۃ المصابیح، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص/۲۴۴
۱۰. ایضاً
۱۱. بخاری، ابو عبداللّٰہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ایچ ایم سعید کمپنی، ص/۴۴۲
۱۲. جامع بیان العلم، ص/۱۱۴
۱۳. نووی، ابوزکریا یحی بن شریف ریاض الصالحین مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، ۱۳۰۰ھ، ص/۱۱
۱۴. ولی الدین مشکوۃ المصابیح، ص/۲۹۹
۱۵. ایضاً
۱۶. ایضاً
۱۷. دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآن حکیم، ڈاکٹر اسرار احمد، مکتبہ خادم القرن، لاہور، ۲۰۰۴ء،
۱۸. سیرت سرور دوعالم ﷺ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، جلد اول، صفحہ ۱۰۸۔۱۲۳، لاہور، ۱۹۸۳ء
۱۹. سورۂ نجم، آیت ۳۹
۲۰. سورہ الاعلیٰ، آیت ۱۴
۲۱. ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۰۵ء، خرم جاہ مراد

۲۲۔ ندوی، ریاست علی، اسلامی نظام تعلیم مکتب انسانیت، اردو بازار لاہور، ص/۱۲
۲۳۔ سورہ العلق، آیات ۲تا۵
۲۴۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۴
۲۵۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح کتاب العلم، ص۱۱۲
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ المنذری، ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب والترہیب، مطبوعہ مصطفی البانی الحلبی مصر ۱۳۸۸ھ، ج۱، ص۳۵
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، ص ۱۱۲
۳۱۔ ایضاً
۳۲۔ سورۂ کہف، آیت ۱۱۴
۳۳۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح کتاب العلم، ص۱۱۲
۳۴۔ المنذری، ذکی الدین الترغیب والترهیب، ج۱، ص۴۴
۳۵۔ ایضاً
۳۶۔ جامع بیان العلم
۳۷۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح کتاب العلم، ص۱۱۲
۳۸۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، باب البکاء والخوف، ص۲۰۰
۳۹۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق،ص ۳۲۵
۴۰۔ ولی الدین کی مشکاۃ کتاب العلم میں خیر کا لفظ کئی جگہ علم باعمل کے لئے آیا ہے۔
۴۱۔ نووی، ریاض الصالحین، باب الخوف
۴۲۔ جامع بیان العلم، ص۱۱۴

۴۳۔ جمع الفوائد باب آداب العلم حدیث: ۲۵۲
۴۴۔ المنذری، الترغیب والترہیب کتاب العلم، ج ۱، ص ۴۴
۴۵۔ ولی الدین، مشکاۃ باب الحذر، ولی الدین، ص ۴۰۱
۴۶۔ سورہ بنی اسرایل، آیت ۳۶
۴۷۔ نووی، ریاض الصالحین، کتاب العلم، ص ۱۱۱
۴۸۔ ولی الدین، مشکاۃ باب جامع الدعاء
۴۹۔ ولی الدین، ریاض الصالحین کتاب العلم
۵۰۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ اللعالمین، جلد سوم، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۳۰
۵۱۔ مولانا سلیمان ندوی، شبلی، ندوی، سیرت النبی ﷺ، جلد چہارم، اعظم گڑھ، ۱۹۳۲ء، ص ۳۱۲
۵۲۔ مودودی، اسلام اور جاہلیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص ۲۵
۵۳۔ پروفیسر حسن الدین ہاشمی، اسلامیات، رشید سنز کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۹۵
۵۴۔ رحمۃ اللعالمین، جلد سوم، قاضی محمد، سلیمان منصورپوری، شیخ غلام اینڈ سنز لاہور، ص ۳۲۰
۵۵۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۵۰
۵۶۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیمات، حصہ دوم، ص ۳۵۔۳۸
۵۷۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۷۷
۵۸۔ جنرل گل پاشا محمد رسول اللہ ﷺ، عظیمی پرنٹر کراچی، ص ۳۱
۵۹۔ سورہ یٰسین، آیت ۴۷
۶۰۔ بخاری، صحیح بخاری، ص ۵۰۰

۶۱۔ سورۃ البلد، آیات ۱۱ تا ۱۸

۶۲۔ ولی الدین، مشکوۃ، باب جامع الدعا

۶۳۔ سورہ دہر، آیات ۸ تا ۱۰

۶۴۔ بخاری، صحیح بخاری ص ۴۴۸

۶۵۔ علی اوسط صدیقی، اسلامیات، طاہر سنز کراچی، ۱۹۹۲ء، ص۹۷

۶۶۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۰

۶۷۔ سورہ التین، آیت ۴

۶۸۔ سورہ حشر، آیات ۲۲ تا ۲۴

۶۹۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ص ۴۱۱

۷۰۔ سورہ انعام، ۲: آیت۱۶۲

۷۱۔ سورہ بقرہ، آیت۱۳۱

۷۲۔ سورہ الکہف، آیت۱

۷۳۔ سورہ فرقان، آیت ۳۰

۷۴۔ بخاری، بخاری شریف، ص ۴۴۴

۷۵۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج۱۲، ص۱۱۲

۷۶۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ص ۴۱۱

۷۷۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج۱۲، ص۱۱۲

۷۸۔ ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد عیسیٰ، سنن ترمذی، ج۱، ص۱

۷۹۔ سیرت ابن ہشام، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۵ھ، ج۱، ص۱۷۸

۸۰۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، ج۳، ص۸۹

۸۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ بالغہ، مطبوعہ، لاہور، ص ۴۴

۸۲۔ شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ج۱، ص۲۵

۸۳۔ قلندرعلی، نوراحمد، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص۱۵۱-۱۵۲

۸۴۔ السلطانیہ، جمال رسول اللہ ﷺ، قلندر علی، مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، ۱۹۵۳ء، ص ۲۰۸
۸۵۔ ابوالحسن ماوردی، احکام السلطانیہ، مصر ۱۲۹۸ء، ص ۱۳۷
۸۶۔ احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، قاہرہ، ۱۹۰۱ء، ص ۲۷۲
۸۷۔ صحیح، مسلم کتاب المساجد، ص ۱۱۹
۸۸۔ ابوداؤد، باب آداب مجلس
۸۹۔ ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد عیسیٰ، سنن ترمذی، ج ۱، ص ۲۱
۹۰۔ ابوداؤد، ص ۲۷۲
۹۱۔ استیعاب، ج ۲، ص ۱۲۹
۹۲۔ سفر السعادت، ص ۲۹۰
۹۳۔ سیرت ابن ہشام، ص ۲۴۵
۹۴۔ ترمذی، سنن ترمذی، ج ۲، ص ۱۰۱
۹۵۔ بخاری، صحیح بخاری، ج ۱۱، ص ۱۱۰
۹۶۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۰۹
۹۷۔ ذارالمعاد، ج ۱، ص ۲۱۱
۹۸۔ بخاری، بخاری شریف و مسلم و نسائی باب الایلا
۹۹۔ طبری، ممد بن جریر، تاریخ طبری ذکر فتح مکہ، ص ۱۲۳۹،
۱۰۰۔ اصابہ فی تذکرۃ الصحابہ، ج ۲،
۱۰۱۔ مسعودی، مروج الذهب، ص ۲۱۹،
۱۰۲۔ بخاری، صحیح بخاری، جلد اول، ص ۱۵، کتاب ایمان
۱۰۳۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب العلم
۱۰۴۔ بخاری، صحیح بخاری کتاب العلم ص ۱۴

۱۰۵۔ ابن ماجة، ابوعبداللّٰه محمد بن یزید سنن ابن ماجه مطبع مجتبائی، باب فضل العلماء، ص۲۱

۱۰۶۔ ایضاً، باب القدر، ص ۹

۱۰۷۔ بخاری، صحیح بخاری، ص۲۱۴

۱۰۸۔ مسلم، صحیح مسلم کتاب الصلوٰة، ص ۲۱۴

۱۰۹۔ بخاری، صحیح بخاری کتاب الصلوة، ص ۲۱۴

۱۱۰۔ بخاری، صحیح بخاری باب الوفات، ص ۱۱۱

۱۱۱۔ احمد بن حنبل، مسند احمد جلد اول، ص ۳۲۸

۱۱۲۔ بخاری، صحیح بخاری ومسلم

۱۱۳۔ صحیح مسلم باب السلام، ص ۲۰۰

۱۱۴۔ سورة حدید، آیت ۱۰۵

۱۱۵۔ ابن ہشام، سیرة ابن ہشام ذکر فتح مکه

۱۱۶۔ بخاری، صحیح بخاری قیام اللیل، ص ۲۱۰

۱۱۷۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الجهاد سجود الشکر،ص۱۱۱

۱۱۸۔ زاد المعاد، ج ۱، ص۹۷

۱۱۹۔ ابن ماجه

۱۲۰۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج۴، ص ۲۱۱

۱۲۱۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، ابواب السجود، ص ۱،

۱۲۲۔ ابن ماجه، سنن ابن ماجه باب الصبر علی البلاء، ص۲۱۹

۱۲۳۔ سوره احقاف، آیت ۱۰

۱۲۴۔ Mahatma Gandhi, Speaking on the Charcter of Muhammad (PBUH) Says in young india.

۱۲۵۔ رساله 'پیشوا' ۱۳۵۷ھ، رسول نمبر،

۱۲۶۔ رساله 'پیشوا' ۱۳۵۳ھ، رسول نمبر،

۱۲۷۔ حضرت محمد ﷺ کا پوترن جیون، سوامی نرائن، رساله پیشوا، ۱۳۵۴ھ، رسول نمبر

۱۲۸۔ پیغمبر، پروفیسر اندرجی، رسالہ مولوی، ۱۳۵۰ھ، رسول نمبر

George Bernard Shaw, The Geniune Islam, Suigapore, 1963, Vol-1` No8 ۱۲۹۔

Lamartine, History De La Turquie, 1954, Paris, Vol-ii, PP276-277 ۱۳۰۔

Thomas Calye, in his Heroes and Heroworship. ۱۳۱۔

Edward Gibbon and Simon okely, History of the Saracen Empires, 1870, London, P54. ۱۳۲۔

Sarojni Naidu, Ideals of Islam, Vide Speeches & Writing 1981, Madras, P.169 ۱۳۳۔

Prof. Hurgronje, The realization of the Idea of the League of Nations. ۱۳۴۔

۱۳۵۔ پروفیسر خورشید نے یہ مقالہ اٹلی کے تاریخی شہر اریشے Erice میں ورلڈ سائنس فاؤنڈیشن کے زیراہتمام منعقدہ ہونے والے ایک بین الاقوامی سیمینار کے ۳۵ ویں اجلاس ۱۲ تا ۱۸ مئی ۲۰۰۲ء، میں پیش کیا۔

۱۳۶۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ، پروفیسر خورشید، ترجمان القرآن، نومبر ۲۰۰۲ء

Dying to win, Robert Pate, Chicago University ۱۳۶۔

John Most's Revolutionary A Time to kill (USA, 1980) War Science, 1885 ۱۳۷۔

Terrorisn in Context, ed by Martha Crenshow, Pensylvania State University Press 1955. ۱۳۹۔

Origions to Terrorsm: Psychologies, Ideologies, ۱۴۰۔

Theologies, States of Mind, ed by Walter Reich, Woodrow Wilson Centre, Washington, 1998.

Violences, Terrorism and Justice, ed. by R.G. Frey, Cambridge University Press 1991. ۱۴۱۔

Global Terrorism: The Complete References Guide, by Hary Henduson Checkmark Books, New York, 2001. ۱۴۲۔

The Terrorism Reader, ed. by David J. Whiterlu, Rutbdgi, London 2001. ۱۴۳۔

Pollitical Terrorism: A reseach Guide to Concepts, Theories, data bases and Literature, by A.P. Schmid, North Holland Publishing, Amsterdam, 1983. ۱۴۴۔

Islam, Fundamentalism and the Betrayal to Tradition (Indiano: World Wisdom 2004) ۱۴۵۔

The Economics of Terrorism, How bin Laden is Changing the Rules of the Game P.191 ۱۴۶۔

Dying to Win: The Stragic Logic of Suicide (Robert A Page) Terrorism New York: Random House, P4. ۱۴۷۔

The Clash ofCivilization and The Remaking of World Order: Samuel and Schuster, London. P187 ۱۴۸۔

۱۴۹۔ فارلیس میگزین، ۲۰۰۵

۱۵۰۔ واشنگٹن پوسٹ، ۲۷ جون ۲۰۰۶

The Bush Agendo, Antoia Gobaz, America ۱۵۱۔

۱۵۲۔ برطانیہ کے عظیم دانش ور ہیرلڈ پنٹر نے جن کو سال ۲۰۰۵ کا ادب کا نوبل انعام ملا، ۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کو انعام حاصل کرنے والی تقریب کی اپنی تقریر میں کہا۔
۱۵۳۔ یکم جون ۲۰۰۲ء کو امریکی بحریہ کے ایک اہم عہدیدار ایدم ہیری گارڈین اخبار کا انٹرویو
۱۵۴۔ یونائٹیڈ پریس انٹرنیشنل
۱۵۵۔ نادین گورڈیز (Nadine Gordiner) نے جو کہ ادب مں نوبل انعام یافتہ ہیں ۱۹۹۷ء
۱۵۶۔ Crudc: The Story of oil, Sonia Shalo America
۱۵۷۔ World Food Programme
۱۵۸۔ World Aid Programme
۱۵۹۔ سرمایہ دارانہ ایجنڈے کی تکمیل، تویہ صنادق خان، ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۷ء
۱۶۰۔ فرنٹ لائن، میگزین، بھارت، شمارہ ۲۲، یکم جنوری ۲۰۰۵ء
۱۶۱۔ Wikipedia Free Encyclopedia
۱۶۲۔ امریکہ کا اخلاقی بحران، سابق امریکی صدر جمی کارٹر، باب ۱۲
۱۶۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۲۴
۱۶۴۔ سورہ اعراف، آیت ۱۸۵
۱۶۵۔ سیرت درود عالم، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ج ۲، ص ۳۸۷
۱۶۶۔ محسن انسانیت، نعیم صدیقی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۲۰ء، ص ۱۱۵
۱۶۷۔ اسلامی نظام حیات، شیخ محمد اقبال، علمی کتاب گھر،

لاہور، ۱۹۸۱ء، ص۱۴۰

۱۶۸۔ رسل و رسائل، مولانا امین احسن اصلاحی، ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۴۷ء، ص۶۶

۱۶۹۔ اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام، نکہت شاہجہانپوری، کشمیری بازار لاہور، ۱۹۴۹ء، ص۱۳۷

۱۷۰۔ سورہ عنکبوت، آیت ۴۶

۱۷۱۔ ہمارا اخلاق، عبدالقیوم ندوی، کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۸۲

۱۷۲۔ سورہ فاتحہ، آیت۱

۱۷۳۔ سورہ ناس، آیات ۱تا۳

۱۷۴۔ سورہ الاعراف، آیت۱۵۷،

۷۵۔ سورہ الفاطر، آیات۱۹تا۲۲،

۷۶۔ سورہ حشر، آیت۲۳،

۷۷۔ سورہ المائدہ، آیت۳۲

۷۸۔ سورہ النساء، آیت ۸۶

۱۷۹۔ اسموک رچرڈ، ویسٹ ویو پریس، لندن، ۱۹۸۷ء، ص۲،

۱۸۰۔ سورہ الانعام، آیت۸۲

۱۸۱۔ امام مسلم، مسلم شریف و ابودائود، ص ۱۱

۱۸۲۔ ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ص ۲۰۰

۱۸۳۔ الخراج لابی یوسف

۱۸۴۔ سورہ الانعام، آیت۱۳،

۱۸۵۔ سورہ البقرہ، آیت۳۵،

۱۸۶۔ سوورہ کہف، آیت۴

۱۸۷۔ سورہ الفاطر، آیت۳

۱۸۸۔ سورہ الرعد، آیت۱،

۱۸۹۔ سورہ یونس، آیت۵،

۱۹۰۔ سورہ المومن، آیت۸
۱۹۱۔ سورہ النحل، آیت۵
۱۹۲۔ سورہ البقرہ، آیت۲۱
۱۹۳۔ سورہ المائدہ، آیت۷
۱۹۴۔ سورہ الجاثیہ، آیت۲
۱۹۵۔ مجمع الزوائد، ج۱، ص۱۲۲
۱۹۶۔ سورہ طٰہ، آیت۱۱۴
۱۹۷۔ سورہ البقرہ، آیت۲۲۹
۱۹۸۔ سورہ النساء، آیت۱۹
۱۹۹۔ سورہ النساء، آیت۳۲
۲۰۰۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج۱۳، ص۸۵
۲۰۱۔ سورہ المائدہ، آیت۷
۲۰۲۔ سورہ المائدہ، آیت۸
۲۰۳۔ مودودی، رحمۃ اللعالمین، ص۳۷۴۔۳۷۵
۲۰۴۔ سورہ الحدید، آیت۲۷
۲۰۵۔ مودودی، رحمۃ اللعالمین، ص۸۷۔۸۹،
۲۰۶۔ سورہ النور، آیت۲
۲۰۷۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۶
۲۰۸۔ سورہ یونس، آیت ۹۹
۲۰۹۔ سورہ نحل، ایت ۱۲۵
۲۱۰۔ سورہ نساء، آیت ۵۸
۲۱۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۸
۲۱۲۔ سورہ بنی سرائیل، آیت۳۴